ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

7

www.tanzeem.org

27 ربیع الثانی تا 3 جمادی الاوّل 1436ھ / 17 تا 23 فروری 2015ء

ایمان اور اُمید

مومن کو جن ذرائع سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے اِن میں سے ایک کا نام امید ہے۔ یہ وہ احساس ہے جو زندگی کی شب تاریک کو منور کرتا ہے اور زندگی کی خوفناک اور پُر پیچ گزرگاہوں میں انسان کو عمل کی صاف سیدھی شاہراہ دکھاتا ہے۔ شجرِ زندگی کو اس سے بالیدگی ملتی ہے۔ تمدن کا عظیم الشان قلعہ اپنی تعمیر کے لئے اس کا مرہونِ منت ہے اور اسی کی بدولت سعادت وخوش بختی کا مزہ قائم رہتا ہے۔

امید انسان میں عمل کا داعیہ پیدا کرتی ہے اور مداومتِ عمل پر اسے ابھارتی ہے۔ کاہل کو چست اور چست کو اور زیادہ سرگرم عمل بنا دینا اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ کسان کو جو چیز دن رات کھیت میں خون پسینہ ایک کرنے پر مجبور کرتی ہے وہ اچھی فصل کی امید ہے۔ تاجر خطرناک سفر اختیار کرتا ہے تو نفع کی امید پر۔ طالب علم کبھی محنت نہ کرتا اگر اسے کامیابی کی امید نہ ہوتی۔ ایک سپاہی اگر شجاعت و جوانمردی کا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے تو اس کا محرک فتح وظفرمندی کی امید کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے۔ مریض کڑوی کسیلی دوائیں خوشی خوشی کھا لیتا ہے تو اس کی وجہ بھی صحت یاب ہونے کی امید ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک بندۂ مومن اگر خواہشِ نفس کی مخالفت اور اپنے پروردگار کی ہر حالت میں اطاعت کرتا ہے تو اس عمل کے پیچھے بھی یہ امید ہی کارفرما ہوتی ہے کہ اِسے اپنے پروردگار کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی' اور وہ اس کے انعامات فراواں کا مستحق ٹھہرے گا۔

جس طرح یاس اور کفر لازم وملزوم ہیں اسی طرح اُمید اور ایمان بھی متلازم ہیں' چنانچہ ایک ایماندار سب سے زیادہ پُر امید ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان نام ہی اُس اعلیٰ اور عظیم طاقت کو تسلیم کرنے کا ہے جو اس کائنات کا انتظام کر رہی ہے' جس سے کوئی چیز مخفی نہیں اور جو کسی کام سے عاجز نہیں۔ ایسی ہستی کو ماننے والا' جو ہر مجبور و مضطر کی پکار سنتی ہے' جواب دیتی اور اس کی مصیبت کو دور کرنے کی پُوری پُوری صلاحیت رکھتی ہے' نا امید کیسے ہو سکتا ہے۔

ایمان اور زندگی

علامہ یوسف القرضاوی

اس شمارے میں

......ہاں باقی وہ رہ جائے گا

ایمان اور فکرِ آخرت

دیں روحِ رواں است

دعوتِ دین کیا ہے؟

دعوت وتربیت کا ذریعہ

داعی کا ذاتی کردار

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

حلال وحرام

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سُوْرَۃُ النَّحْل — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — آیات 115 تا 119

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٥﴾ وَلَا تَقُولُوا
لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾
مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٩﴾

آیت ۱۱۵ ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ ج﴾ ’’اُس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مردار‘ خون‘ خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا۔‘‘

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ ’’پھر جو کوئی مجبور ہو جائے‘ (لیکن) نہ وہ طالب ہو‘ نہ حد سے بڑھنے والا‘ تو اللہ یقیناً بخشنے والا‘ نہایت رحم والا ہے۔‘‘

یعنی انتہائی مجبوری کی حالت میں‘ جان بچانے کے لیے وقتی طور پر بقدر ضرورت ان حرام اشیاء کو استعمال میں لا کر جان بچائی جا سکتی ہے‘ مگر نہ تو دل میں ان کی طلب ہو‘ نہ اللہ سے سرکشی کا ارادہ‘ اور نہ ہی ایسی حالت میں وہ چیز ضرورت سے زیادہ کھائی جائے۔

آیت ۱۱۶ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّھٰذَا حَرَامٌ﴾ ’’اور مت کہو جس کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ گھڑتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے‘‘

حلال اور حرام کا فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے‘ اس لیے اس بارے میں غیر محتاط رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ بغیر علم‘ دلیل اور سند کے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

﴿لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ط﴾ ’’تاکہ تم اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرو۔‘‘

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴾ ’’یقیناً جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔‘‘

آیت ۱۱۷ ﴿مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ص وَّلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ ’’برتنے کا سامان ہے (دُنیوی زندگی میں) تھوڑا سا‘ اور پھر ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

آیت ۱۱۸ ﴿وَعَلَی الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ ج﴾ ’’اور اُن لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کی تھیں (وہ چیزیں) جو ہم بیان کر چکے ہیں آپؐ پر اس سے پہلے۔‘‘

اس بارے میں تفصیل سورۂ آل عمران: ۹۳‘ النساء: ۱۶۰ اور الانعام: ۱۴۶ میں گزر چکی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی مرضی سے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا‘ جس کی تعمیل بعد میں وہ پوری قوم کرتی رہی۔ اس کے علاوہ مختلف حیوانات کی چربی بھی بنی اسرائیل پر حرام کر دی گئی تھی۔

﴿وَمَا ظَلَمْنٰھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴾ ’’اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔‘‘

آیت ۱۱۹ ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْٓا لا اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ ’’پھر یقیناً آپؐ کا رب ان لوگوں کے حق میں جو جہالت سے کوئی بُرا کام کر بیٹھیں‘ پھر اس کے بعد وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں‘ تو یقیناً آپؐ کا رب اس کے بعد بہت بخشنے والا‘ نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

جو لوگ جذبات کی رو میں بہہ کر یا نادانی میں کوئی گناہ کر بیٹھیں‘ پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں اور غلط روش سے باز آ جائیں تو ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ ضرور غفور و رحیم ہے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
27 ربیع الثانی تا 3 جمادی الاوّل 1436ھ جلد 24
17 تا 23 فروری 2015ء شمارہ 07
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز
نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-36293939
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 12 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

......ہاں باقی وہ رہ جائے گا

جماعت کی تعریف شاید اس سے بہتر ممکن نہ ہو کہ یکساں ہدف رکھنے والے ہم مقصد افراد کا ایسا گروہ جو کسی ایک نظم سے منسلک ہو۔ یہ نظم جماعت کے دستور کے تحت قائم ہوتا ہے، اور تمام وابستگانِ جماعت اپنی ذمہ داری اس دستور کے مطابق ادا کرتے ہیں۔ وہ دستور ہی کے حوالے سے نظم بالا کو جوابدہ ہوتے ہیں اور اُن سب کی اصل وفاداری جماعت کے دستور کے ساتھ ہوتی ہے۔ جماعت کا سربراہ بھی دستور کا پابند ہوتا ہے۔ آج کے دور میں دنیا بھر میں جماعت سازی کا یہی چلن ہے۔ آج دنیا میں حصول قوت واقتدار کے لئے سیاسی داؤ پیچ جو حیثیت اختیار کر گئے ہیں اُن کی بنا پر بھی ایک کامیاب سیاست دان بننے کے لئے کسی باقاعدہ سیاسی جماعت سے منسلک ہونا ناگزیر ہے۔ دنیا کے اکثریتی حصہ میں چونکہ سیکولرازم ایک نظام کی حیثیت سے تسلط حاصل کر چکا ہے، اس ماحول اور پس منظر میں مذہب اور ریاست بہتے دریا کے دو کناروں کی طرح ہیں، جو کبھی مل نہ سکیں گے۔ لہٰذا آج کسی سیاسی کارکن کے دو ہی بڑے مقاصد ہو سکتے ہیں: اولاً ملک وقوم کی خدمت کی جائے اور اس کی تعمیر وترقی میں حصہ ڈالا جائے۔ دوسرا اقتدار یا سیاسی قوت کے بل بوتے پر ذاتی مفادات کی تکمیل کی جائے۔

سیاسی جماعتوں کے وجود کے حوالہ سے برصغیر یورپ سے بہت پیچھے ہے۔ یہاں مغل حکمرانوں کا خاتمہ ہوا تو سات سمندر پار سے گورے آ گئے۔ 1857ء تک اہل ہندوستان آزادی حاصل کرنے کے لئے عسکری جدوجہد کرتے رہے، لیکن باہمی چپقلش کی وجہ سے ناکام ہو گئے۔ بعد ازاں مسلمانوں میں سے روایتی مذہبی طبقہ تو اسی راستہ پر گامزن رہا لیکن ہندو اور عام مسلمان نے آزادی کے لئے سیاسی راستہ اختیار کیا۔ 1885ء میں ہندوؤں نے کانگرس کے نام سے سیاسی جماعت بنائی اور 1906ء میں مسلمانوں نے مسلم لیگ کے نام سے سیاسی جدوجہد کے لئے جماعت تشکیل دی۔ کانگرس اور مسلم لیگ دونوں کی تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ دونوں کا مطمحِ نظر انگریز سے آزادی کا حصول تھا، لیکن مسلم لیگ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے ساتھ ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کیلئے علیحدہ وطن حاصل کرنے کی جدوجہد بھی کرتی رہی، جس سے کانگرس اور مسلم لیگ میں ایک فرق واقع ہو گیا۔ کانگرس صرف یہ چاہتی تھی کہ انگریز ہندوستان سے رخصت ہو جائے اور انگریز نے ہندوستان سے اپنی رخصتی کو اصولی طور پر قبول بھی کر لیا تھا۔ لہٰذا اختلاف صرف وقت اور رخصتی کے انداز کا تھا۔ یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ ہندوؤں کو کانگرس کو ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے مضبوط بنیادیں فراہم کرنے اور تنظیم سازی کے لئے مناسب وقت مل گیا۔ جب کہ مسلم لیگ کو پاکستان بنانے کے لئے ایک زوردار تحریک چلانا پڑی، لہٰذا تنظیم سازی کا نہ وقت تھا نہ موقع۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے چونکہ مذہب کی بنیاد پر الگ وطن کا مطالبہ کیا تھا، لوگوں کو پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ بتایا گیا تھا، لہٰذا اس تحریک کو مذہبی جذبات کی بنیاد پر ہی آگے بڑھایا گیا۔

ہم قارئین خصوصاً تنظیم اسلامی کے رفقا کی خدمت میں اصلاً یہ عرض کرنا چاہ رہے ہیں کہ پاکستان کی گھٹی

میں جذباتیت ہے۔ اس کی تعمیراتی فزیالوجی میں جذباتیت ہے۔ لہٰذا قیام پاکستان کے بعد جتنی بھی نئی سیاسی اور مذہبی جماعتیں قائم ہوئیں، اُن میں لیڈر حضرات نے جذبات کو فوکس کیا مثلاً مذہبی جماعتوں نے اپنے اپنے مسلک کی دہائی دی، مسلکی جذبات کو بھڑکایا اور مسلک کی بنیاد پر الگ جماعت بنالی۔ جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت اہل حدیث، اہل تشیع کی جماعت تحریک جعفریہ وغیرہ۔ سیاسی جماعتوں نے جو حقیقت میں سب سیکولر جماعتیں ہیں انسانی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا لالچ دیا۔ مثلاً کسی نے روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ بلند کر کے اور کسی نے لسانی اور علاقائی تعصب کو ہوا دیکر جذبات کو بھڑکایا اور ہم زبانوں یا علاقہ پرستوں (جنہیں قوم پرست کہا جاتا ہے) کو اپنے گرد اکٹھا کر کے جماعت بنالی۔ گویا صورت حال یہ بنی کہ سندھ کے کراچی اور حیدر آباد جیسے بڑے شہروں میں آسانی سے لسانی بنیادوں پر جماعت بن گئی۔ اسی طرح مذہبی جماعتوں میں شیعہ حضرات کو تحریک نفاذ جعفریہ کی اور اہل حدیث حضرات کو جمعیت اہل حدیث کی دعوت دینا اور دعوت قبول کرنا کتنا آسان ہے۔ ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان میں کسی بھی نوع کی عصبیت کی پکار لگا کر جماعت بنانا بھی آسان، چلانا اور قائم رکھنا بھی آسان ہے۔

تنظیم اسلامی کے رفقاء سے ہمارا ٹریلین ڈالر کا سوال یہ ہے کہ وہ کس عصبیت کی صدا لگائیں گے؟ وہ کس طرح کے جذبات کو مہمیز لگائیں گے؟ ہم نے جو آغاز میں جماعت کی تعریف بیان کرنے کی کوشش کی ہے اس میں صرف پہلے جملے کا ابتدائی جُز تنظیم اسلامی پر صادق آتا ہے۔ یعنی یکساں ہدف رکھنے والے ہم مقصد افراد جو ایک نظم سے منسلک ہیں۔ اس کے بعد پاکستان کی تمام دوسری سیاسی اور مذہبی جماعتوں سے تعمیری اور عملی اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ تنظیم اسلامی دستوری نہیں بلکہ شخصی بیعت کی بنیاد پر قائم ہے، جس کا بنیادی فلسفہ یا اصول یہ ہے کہ جس شخص کے ہاتھ پر بیعت کی جا رہی ہے اُس کے ہر حکم کی بلا چوں وچراں پابندی کرنا ہوگی، بشرطیکہ حکم شریعت کے دائرے کے اندر ہو۔ تنظیم اسلامی نے اپنا اصل اور حقیقی ہدف رضائے الٰہی کو ٹھہرایا ہے اور اُس کا موقف یہ ہے کہ اپنے ہدف کے حصول کے لئے نظریہ پاکستان کو عملی تعبیر دینا لازم ہے، بلکہ تقسیم سے قبل کے نعرے میں قیام پاکستان کے بعد ''محمد رسول اللہ'' کا اضافہ لازم ہے، ناگزیر ہے۔ شریعت محمدیہ ﷺ کا نفاذ نہیں ہوگا تو بات محض جذباتیت تک محدود ہو کر رہ جائے گی اور نعرے لگاتے لگاتے جذبات بھی بالآخر سرد پڑ جائیں گے۔ اگرچہ پاکستان کی تمام مذہبی جماعتیں نعرہ تو نفاذ اسلام کا ہی لگاتی ہیں لیکن جب وہ اپنے مخصوص خول سے مخصوص لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے لگاتی ہیں تو ہم مسلک لوگ اصل دعوت کو سمجھ لیتے ہیں۔ لہٰذا وہی لپکتے ہیں جنہیں حقیقت میں پکارا جاتا ہے۔ تنظیم اسلامی نے خود کو کسی خاص مسلک سے نتھی ہی نہیں کیا ہوا، لہٰذا اُسے مسلک محمدیؐ کی صدا لگانی ہے (جس کے لئے صحیح تر اصطلاح شریعت محمدیؐ ہے) اور تمام مسلمانوں کو دعوت دینی ہے۔ شریعت محمدیؐ کے مطابق تمام زمین اللہ کی ہے اور مسلمان کے لئے مسجد کی حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا کسی زمینی عصبیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر برتری حاصل نہیں۔ کسی گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر اور کسی کالے پر فوقیت نہیں۔ گویا رنگ نسل اور زبان یا کسی بھی نوع کی عصبیت کی پکار نہیں لگائی جاسکتی۔

پھر یہ کہ سیکولر سیاسی جماعتوں کی طرح دنیوی ساز وسامان اور عہدوں وغیرہ کا لالچ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اس لئے کہ ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ انتخابات میں حصہ لینے پر بھی تنظیم نے خود پر پابندی لگا رکھی ہے۔ لہٰذا خالصتاً نفاذ دین کے لئے کسی جماعت سے منسلک ہونے کی دعوت دینا اور لوگوں کو اپنے ساتھ جمع کر کے بڑی جماعت بنالینا دنیا کا مشکل ترین کام ہے، اگرچہ ناممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 20 کروڑ میں سے چند ہزار افراد کو اللہ نے یہ توفیق بخشی ہے کہ وہ تنظیم اسلامی کے رفقاء اور رفیقات کہلاتے اور کہلاتی ہیں۔ لیکن اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ مشکلات کی وجہ سے knocking ہو رہی ہے۔ ایک ہچکچاہٹ اور تذبذب کی بہرحال کیفیت موجود ہے۔ ہماری رائے میں اس حوالہ سے مختلف لوگوں کی مختلف وجوہات ہیں۔ اگر رفقاء بُرا نہ مانیں تو ہم اس knocking کو مرض کا نام دیں گے اور ساتھ ساتھ علاج تجویز کرنے کی کوشش کریں گے۔ مثلاً بعض ساتھی جو بڑے پر عزم طریقے سے تنظیم میں شامل ہوئے انہوں نے اقامت دین (یعنی دین کو عملاً قائم کر دینے) کو دینی اور شرعی فریضہ سمجھ لیا۔ حالانکہ ایک رفیق پر اقامت دین کی جدوجہد فرض ہے، اسلام کا بالفعل نفاذ کرنا اس کی ذمہ داری نہیں۔ ایسا رفیق جب زمینی حقائق پر نگاہ ڈالتا ہے اور حالات کی ناموافقت اس کے سامنے آتی ہے تو تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً یا تو سست روی کا شکار ہو جاتا ہے یا جلد بازی کا مظاہرہ کر کے انقلاب کے دنیوی ہدف کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کی فکر کرنے لگتا ہے، اور نتائج سے مایوسی کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اُسے اس بات کو ذہنی اور قلبی طور پر سمجھنا چاہیے کہ میرا فرض دین قائم کرنے کے لیے سرتوڑ جدوجہد کرنا ہے، مجھے تن من دھن لگانا ہے لیکن میرا اصلی ہدف رضائے الٰہی ہے اور کیا اللہ اپنی راہ میں مخلصانہ جدوجہد کو رد کرے گا۔ سورۂ محمدؐ کے آیت نمبر 7 کا مطالعہ کریں، وہ تو اسے یعنی اللہ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کو اپنی مدد قرار دیتا ہے۔ کیا وہ اپنی مدد کرنے والوں کو بھلا دے گا؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ گویا کامیابی کا امکان صدفی صد ہے تو تذبذب کیسا؟ معاشرے میں انقلاب آتا ہے یا نہیں آتا، یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں اور فی الوقت دنیا میں کیا ہونا چاہیے، (باقی صفحہ 15 پر)

ایمان اور فکرِ آخرت

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 06 فروری 2015ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

خطبۂ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

حضرات! سورۃ التغابن کا پہلا رکوع ہمارے زیر گفتگو ہے۔ سورۃ التغابن ایمانیات کے موضوع پر قرآن مجید کی جامع سورت ہے اور اس میں ایمانیاتِ ثلاثہ ایمان باللہ، ایمان بالرسالت، اور ایمان بالآخرت کا بیان ہے۔ ایمان کا موضوع ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ اس لیے کہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ حقیقی ایمان کی کمی کا ہے۔ اُمت مسلمہ کی پستی اور زوال، اور اُس پر کفار کی یورشوں، آج کے دور میں گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کا سبب دراصل ہم میں حقیقی ایمان کا نہ ہونا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی مسلمان کے لئے اس سے زیادہ اذیت ناک معاملہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا استہزا اور توہین کی جائے۔ شیطان کے معنوی فرزند پے در پے گستاخانہ جسارتوں کی اشاعت سے ہمیں یہ بتا رہے ہیں کہ آج تم مسلمان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حالانکہ ہم مسلمانوں سے تو اللہ کا وعدہ یہ تھا: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۳۹)﴾ (آل عمران) ”اور (دنیا میں بھی) تم ہی غالب اور سربلند ہو گے اگر تم مؤمن ہوئے۔“

یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمان طویل عرصے تک دنیا میں سپریم پاور کی حیثیت سے رہے ہیں اور یہ حق بھی مسلمانوں کا بنتا ہے۔ اس لئے کہ یہ زمین اللہ کی ہے اور اللہ کو، اللہ کی توحید کو، اس کی کتابوں کو، اس کے تمام انبیاء ورسل کو اور آخرت کو ماننے والے مسلمان ہیں۔ تو پھر اختیار و حکمرانی بھی مسلمانوں کی ہی ہونی چاہیے۔ اسی بات کا اعلان مذکورہ آیت میں کیا گیا ہے کہ ”تم ہی غالب اور سربلند رہو گے اگر تم مؤمن ہوئے“۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ گزشتہ ایک صدی سے مسلمان غالب اور سربلند نہیں، بلکہ پسے ہوئے، مظلوم، بے بس اور لاچار ہیں۔ (نعوذ باللہ) اللہ کا یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ہم صحیح معنوں میں صاحب ایمان نہیں رہے ہے اور صرف نام کے مسلمان بن کر رہ گئے ہیں۔ ہم صرف زبان سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ماننے والے ہیں جبکہ مؤمن تو اللہ اور رسول پر دل سے یقین رکھتا ہے۔ اسی لئے قرآن مسلمانوں کو یقین قلبی کی دعوت دیتا ہے۔ فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (النساء: 136) ”اے اہل ایمان! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر“۔ یہاں ایمان والوں

مرتب: حافظ محمد زاہد

سے کہا جا رہا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ یعنی زبان سے تو تم کلمہ پڑھ رہے ہو اور دنیا میں تمہیں مسلمان تسلیم بھی کیا جا رہا ہے، لیکن حقیقی ایمان سے تم ابھی محروم ہو۔ لہٰذا تم اپنے اندر یقین والا ایمان پیدا کرنے کی کوشش کرو، تاکہ تم ”مسلمان“ کے ساتھ ساتھ ”مؤمن“ بھی بن جاؤ۔ جب تم سچے مؤمن بن جاؤ گے تو ایک بار پھر تمہیں پوری دنیا میں سپریم پاور کی حیثیت حاصل ہو جائے گی، جس کا تم سے اللہ نے وعدہ کیا ہے۔

ایمان کے موضوع کے ضمن میں یہ سورۂ مبارکہ (سورۃ التغابن) بہت اہم ہے کہ اس میں تینوں بنیادی ایمانیات کا تذکرہ ہے۔ آپ کے علم میں ہو گا کہ قرآن کا تقریباً 65 فیصد حصہ مکی سورتوں پر مشتمل ہے اور ان سورتوں میں توحید، رسالت، آخرت اور ان کے متعلقات کا تفصیلی بیان ہے۔ مزید براں ان میں حسن اخلاق کا موضوع بھی بیان ہوا ہے۔ جبکہ قرآن کا باقی 35 فیصد حصہ مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ ان سورتوں میں زیادہ تر خطاب مسلمانوں سے ہے اور ان میں احکامات یعنی نظام حلال و حرام، جائز و ناجائز اور فرض و واجب وغیرہ کا بیان ہے۔ سورۃ التغابن بھی مدنی سورت ہے اور اس میں مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ”پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر“۔ یہاں بھی مسلمانوں سے ایمان لانے کا مطالبہ کر کے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اب تم زبانی اقرار سے آگے نکل کر اپنے اندر یقین والا ایمان پیدا کرو۔

سورۃ التغابن کے پہلے رکوع کے آخری حصے میں ایمان بالآخرت کا تذکرہ ہے۔ ایمان بالآخرت کے حوالے سے چند پہلوؤں پر گفتگو ہو چکی ہے۔ میں نے قرآن کے تصور آخرت سے متعلق بتایا تھا کہ دنیوی اعتبار سے تو مالدار اور ارب پتی لوگ خوش قسمت معلوم ہوتے ہیں، لیکن جب آخرت کو سامنے رکھا جائے تو معاملہ اس کے برعکس ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جس شخص کو اس دنیا میں زیادہ ملا اس کا امتحان سخت سے سخت تر ہو گیا، لہٰذا اسے اپنی فکر کرنی چاہیے۔ اس حوالے سے حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ ”جو کم ہو اور کفایت کر جائے، وہ اس زیادہ سے بہتر ہو جو ہلاکت میں ڈال دے“۔ اب یہ ایک الگ

داستانِ غم ہے کہ ہم نے ضروریات کا دائرہ بہت وسیع کر دیا ہے اور اپنے بچوں کو اعلیٰ ترین انگریزی سکولوں میں پڑھانے کو بھی ایک بنیادی ضرورت سمجھ لیا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ صرف دنیا دار لوگوں کا معاملہ نہیں رہا بلکہ کم وبیش یہی معاملہ اب دین دار لوگوں کا بھی ہے۔ ہم اپنے بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ سہولتیں دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اس حوالے سے حلال وحرام اور جائز و ناجائز کا بھی خیال نہیں کرتے۔ قیامت کے دن صورتحال یہ ہوگی کہ جب مجرموں کو اپنا بدترین انجام نظر آئے گا تو ان کی ایک خواہش یہ ہوگی کہ کاش ہماری اولاد کو ہمارے گناہوں کے فدیے کے طور پر قبول کر کے جہنم میں جھونک دیا جائے اور ہماری خلاصی کر دی جائے۔ اسی لئے قرآن بار بار اور مختلف انداز میں کہہ رہا ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کے عذاب سے بچانے کی فکر کرو۔ جبکہ ہم تو خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں اور ہماری پہلی ترجیح دنیا اور اس کی آسائشیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا نے جن چیزوں کو کامیابی و ناکامی کا معیار بنا دیا ہے، اصل میں غیر محسوس اور غیر شعوری طور پر وہی ہمارے معیار بن چکے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دنیا کے بارے میں کیا تعلیمات دیں اور خود آپ ﷺ کی نظر میں دنیا کی کیا حیثیت تھی، اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ)) (متفق علیہ) ''دنیا میں اجنبی یا راہ چلتے مسافر کی طرح رہو''۔ اجنبی اس معنی میں کہ یہ خیال کرو کہ یہ دنیا میری منزل نہیں ہے۔ یہ تو بس ایک راہ گزر ہے اور میرے سفر حیات کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے جو مجھے اس دنیا میں گزارنا ہے۔ آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے: ((مَا لِي وَمَا لِلدُّنْيَا مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا)) (جامع ترمذی) ''مجھے دنیا سے کیا کام، میں تو دنیا میں اس طرح ہوں جیسے کوئی سوار کسی درخت کے سائے میں آرام کی غرض سے بیٹھ گیا اور پھر اس درخت کو چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا''۔ اس کو سمجھنے کے لئے آپ سرائے یا ہوٹل کا تصور کریں۔ مثلاً آپ کو کسی دور افتادہ مقام کا سفر کرنا پڑے تو بسا اوقات راستے میں آپ کو رات گزارنے کے لیے کسی سرائے یا ہوٹل میں قیام کرنا پڑتا ہے۔ اب اگر آپ سرائے یا ہوٹل کو اپنا اصلی گھر سمجھنے لگیں تو لوگ آپ کی دماغی حالت پر شک کریں گے۔ یہی معاملہ سفر دنیا کا ہے۔ اگر ہم آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے اس دنیا کو اپنا اصل گھر سمجھنا شروع کر دیں اور ساری محنت اسی کے لیے کریں تو پھر ہمیں اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔ غور کیجیے، ہمارے بہت سے پاکستانی مشرق وسطیٰ اور دوسرے عرب ممالک میں ملازمت کرتے ہیں۔ وہ وہاں جو کچھ کماتے ہیں، اس میں سے کم سے کم وہاں خرچ کرتے ہیں، جبکہ اپنی کمائی کا اکثر حصہ پاکستان بھیجتے ہیں۔ انہیں پتا ہے کہ یہ ہمارا گھر نہیں ہے اور ہماری حیثیت تو یہاں ایک مسافر کی سی ہے، جسے ایک نہ ایک دن واپس اپنے اصل گھر پاکستان جانا ہے۔ اس لیے وہ اپنی کمائی کا زیادہ سے زیادہ حصہ پاکستان بھیجتے ہیں، تاکہ وہ جب یہاں واپس آئیں تو پھر آرام دہ زندگی گزار سکیں۔ قرآن ہمیں بتا رہا ہے کہ یہ دنیا ہمارے لئے ایک عارضی قیام گاہ ہے۔ ہمارا اصل گھر اور منزل نہیں ہے۔ لہٰذا جس کو آخرت کا یقین ہو گا وہ یہاں کم خرچ کرے گا اور وہاں کے بنک میں زیادہ جمع کرے گا۔ اس لئے کہ ساری زندگی تو وہاں گزارنی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم آگے کی فکر کریں اور زیادہ سے زیادہ اس کے لیے تیاری کریں۔

ایمان بالآخرت اور اس کے منطقی نتائج کے حوالے سے ایک بڑی پیاری حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے

پریس ریلیز 13 فروری 2015ء

کیا بھتہ خوری کے لئے سینکڑوں افراد کو جلا کر خاکستر کر دینا دہشت گردی نہیں ہے

بلدیہ ٹاؤن جیسے بڑے سانحہ پر قوم کی خاموشی انتہائی افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے

ہر قسم کے قتل و غارت گری کو دہشت گردی قرار دیا جائے اور ایسے مجرموں کو عبرت ناک سزا دی جائے

حافظ عاکف سعید

کیا بھتہ خوری کے لئے سینکڑوں افراد کو جلا کر خاکستر کر دینا دہشت گردی نہیں ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطبۂ جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے سانحہ بلدیہ ٹاؤن کراچی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے نظام انصاف کا یہ حال ہے کہ قریباً اڑھائی سال بعد سندھ ہائی کورٹ میں اس سانحہ کی J.I.T رپورٹ پیش کی گئی ہے، جس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ بلدیہ ٹاؤن کراچی میں ہونے والی واردات میں دو سو اٹھاون (258) افراد جل کر ہلاک ہو گئے تھے اور کثیر تعداد میں لوگ زخمی ہوئے تھے۔ اُس میں کراچی کی لسانی تنظیم ایم کیو ایم ملوث تھی۔ ملزم رضوان قریشی ایم کیو ایم کا سیکٹر انچارج تھا، لیکن وہ ایم کیو ایم کے کسی بڑے لیڈر کے فرنٹ مین کا کردار ادا کر رہا تھا۔ امیر تنظیم نے اتنے بڑے سانحہ پر قوم کی خاموشی کو انتہائی افسوس ناک اور تکلیف دہ قرار دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ ظلم و بربریت اُس ملک میں وقوع پذیر ہوا ہے جو اسلام کے نام پر بنا تھا، جس کا پیچ ورڈ عدل ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم شروع سے یہ کہتے آئے ہیں کہ ہر قسم کے قتل و غارت گری کو دہشت گردی قرار دیا جائے اور ایسے مجرموں کو ایسی عبرت ناک سزا دی جائے کہ آئندہ چند ٹکوں کی خاطر کوئی ایسی درندگی کا مظاہرہ کرنے کی جرات نہ کرے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اسلام کا عادلانہ نظام موجود ہے لیکن ہم انگریز کے پرانے اور دقیانوسی نظام کو جاری رکھے ہوئے ہیں جس کے نتائج ظاہر ہو رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ملک کا انتظامی و عدالتی نظام مفلوج ہو چکا ہے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

فرمایا:((اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ))''سمجھدار شخص وہ ہے جو اپنا احتساب کرے، اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے محنت کرے''۔ہمارے ہاں دنیوی معاملات میں تو اکثر احتساب کیا جاتا ہے۔لوگ اپنے کاروبار کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہتے ہیں کہ کہاں، کیسے اور کیوں ناکامی ہوئی اور اب میں اپنے ٹارگٹ تک کیسے پہنچ سکتا ہوں۔البتہ آخرت سے غفلت عام ہے۔رسول اللہ ﷺ کے اس جملہ میں دنیوی نہیں، بلکہ اُخروی معاملات میں احتساب مراد ہے ۔ اس جملے کے مطابق ہر شخص کو اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے کہ وہ اصل کامیابی کے حوالے سے کہاں کھڑا ہے۔سمجھدار شخص کی ایک بڑی خوبی خود احتسابی کا عمل ہے اور دوسری خوبی یہ ہے کہ آخرت کی زندگی کو سنوارنے کے لئے محنت کرے۔دنیا کے لیے تو سب محنت کر رہے ہیں لیکن دانا شخص وہ ہے جو اپنے اصل مستقبل کے لئے محنت کر رہا ہے۔ہماری اکثریت کا طرز عمل اس حوالے سے حماقت پر مبنی ہے اور ہم اپنے بچوں کو وہی کچھ پڑھاتے اور سکھاتے ہیں جس سے ان کا دنیوی مستقبل سنور جائے۔حالانکہ یہ مستقبل نہیں، بلکہ امتحان گاہ ہے۔ قرآن کہتا ہے:﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ (الحشر:18) ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر جان کو دیکھتے رہنا چاہیے کہ اُس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے!''

حدیث میں آگے نادان اور نا سمجھ کے بارے میں فرمایا گیا کہ:((وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا)) ''اور محروم ہے وہ شخص جو اپنی خواہشات نفس کے مطابق زندگی گزار رہا ہے''۔اس کو آخرت کی کوئی فکر نہیں۔بس یہ فکر ہے کہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ مل جائے اور میں دنیا کی لذات سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہو جاؤں۔ع ''بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست''۔آج کل بشمول مسلمانوں کے پوری دنیا کا فلسفہ یہی ہے، الا ماشاء اللہ! ناسمجھ آدمی خواہشات نفس کے مطابق زندگی گزارتا ہے، پھر اُس میں دوسری کمزوری یہ ہوتی ہے کہ((وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ))''اور اللہ سے (نجات اور جہنم سے خلاصی کی) توقعات رکھتا ہے''۔یہ ہیں ہمارے لئے چونکا دینے والے الفاظ۔یعنی ساری دوڑ دھوپ اور محنت اس دنیا اور اس کے مستقبل کے لئے ہے، لیکن آخرت کے بارے میں wishful thinkings اور اللہ سے توقعات ہیں کہ وہ بچالے گا۔ہم میں سے ہر شخص کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ میرا ہی ذکر ہو رہا ہے کہ بالعموم ہم مسلمان اس طرح کے سہارے بنا کر دنیا پرستی کے اندر مگن ہو جاتے ہیں۔ یہ مضمون سورۃ الانفطار میں تفصیل سے آیا ہے۔وہاں فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ(٦)﴾ ''اے انسان تجھے رب کریم کے حوالے سے کس نے غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے''۔یعنی تم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ ہمارا رب ارحم الراحمین ہے اور اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے تو یہ جہنم اور عذاب جہنم بس اِک ڈراوا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا:﴿كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ (٩)﴾ ''ہرگز نہیں، بلکہ تم تو جزا و سزا (اور آخرت) کا انکار کر رہے ہو''۔پھر اسی سورت میں آگے کراماً کاتبین کا ذکر بھی آیا جو ہمارا ہر ہر عمل نوٹ کر رہے ہیں، جس کے مطابق ہماری کامیابی و ناکامی کے فیصلے ہوں گے۔اس فیصلے کے بعد صورت حال یہ ہوگی:﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ(١٣) وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ(١٤)﴾''نیک و فرمانبردار لوگ جنت میں جائیں گے اور گناہ گار جہنم میں جائیں گے۔''

انسان عام طور پر یہ سوچتا ہے کہ اگر میں آخرت کو اپنی پہلی ترجیح بنالوں گا تو پھر دنیا کے معاملات میں پیچھے رہ جاؤں گا۔پھر میرے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔ یہ انسان کی سوچ کی کجی اور یقین کی کمزوری ہے۔اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:((مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَمْرَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ))''جو شخص دنیا کو اپنا مقصد بنالیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے معاملات اس کے اوپر پھیلا دیتے ہیں (اور وہ ان معاملات میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے) اور اس کی آنکھوں کے درمیان اللہ تعالیٰ فقر لکھ دیتے ہیں''۔فقر کہتے ہیں محتاجی کو، لیکن یہ نفسیاتی فقر ہے۔آدمی یہ سوچتا ہے کہ فلاں مجھ سے آگے ہے اور میں پیچھے ہوں۔ لہٰذا وہ آگے سے آگے کی دوڑ میں ہلکان ہوتا ہے، لیکن اسے ملتا اتنا ہی ہے جتنا اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا:((وَلَمْ يَاْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهٗ)) ''اور دنیا میں اسے اتنا ہی ملے گا جتنا کہ اللہ نے اس کے لئے مقدر کر دیا ہے۔''

حدیث میں آگے اس شخص کا تذکرہ ہے جس نے آخرت کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔فرمایا:((وَمَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ نِيَّتَهٗ جَمَعَ اللّٰهُ لَهٗ اَمْرَهٗ))''اور جو شخص آخرت کی نیت کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو سمیٹ دیتا ہے''۔ایسا تجربہ بار بار لوگوں کو ہوتا ہے کہ جب وہ واقعی دین کے کام میں لگ جاتے ہیں تو ان کے سب کے سب مسائل اللہ تعالیٰ خود ہی حل کر دیتا ہے۔((وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ))''اور اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا پیدا کر دیتا ہے''۔غنا یہ ہے کہ انسان دوسروں سے مستغنی ہو جائے اور یہ رویہ اپنائے کہ مجھے زیادہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ایک وہ ہے جو آگے سے آگے کی دوڑ میں ہلکان ہو رہا ہے تو وہ حالت فقر میں ہی رہے گا۔اس لئے کہ حدیث کے مطابق اگر ابن آدم کے لیے سونے کی ایک وادی ہو تب بھی وہ دوسری وادی کی خواہش کرے گا۔اور اس کا منہ (قبر کی) مٹی ہی بھرے گی''۔دوسری طرف غنا کا معاملہ ہے کہ انسان کو بنیادی ضروریات کے علاوہ کی خواہش ہی نہیں ہے۔غنا ایک بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ انہیں عطا کرتا ہے جو آخرت کو اپنی منزل بنا لیتے ہیں۔اس حدیث کے آخری الفاظ بڑے پیارے ہیں:((وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ))''اور دنیا بھی اس کے قدموں میں ذلیل و خوار ہو کر پہنچتی ہے''۔اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اگر پوری اُمت آخرت کو اپنا مقصد بنالے گی تو پھر دنیا میں ترقی کیسے ہو گی۔اس حوالے سے یہ یاد رکھیے کہ جب مسلمانوں نے آخرت کو اپنا مقصدِ حیات بنایا تو اللہ نے انہیں کہاں سے کہاں تک پہنچایا۔قیصر و کسریٰ کے خزانے قدموں میں آگئے، دنیا میں ایسی عزت و سربلندی ملی کہ ساری دنیا کے امام بن گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا انداز اور رہن سہن فقر و درویشی والا تھا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں ہلچل مچی تھی، لیکن انہوں نے انتہائی درویشانہ زندگی گزاری ہے۔ بیت المقدس فتح کرنے پہنچے تو غلام سواری پر سوار تھا اور آپؓ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔اور آپؓ نے اس وقت جو کُرتہ پہنا ہوا تھا، اس میں بھی کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔لیکن ان درویش صفت لوگوں نے جب آخرت کو اپنا مقصد بنایا تو اللہ نے ان کو سربلند کیا اور آج بھی ان کی عظمت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے سو عظیم انسانوں کی درجہ بندی کر کے ایک کتاب ''سو عظیم انسان'' مرتب کی اور عیسائی ہونے کے باوجود اس کتاب میں پہلے نمبر پر حضور اکرم ﷺ کو لایا اور پھر مسلمانوں میں سے حضرت عمرؓ کو 51 نمبر پر لایا۔آج بھی دنیا میں عزت و سربلندی اور غلبہ مسلمانوں کو ہی ملے گا بشرطیکہ ان کا قبلہ درست ہو جائے اور وہ آخرت کو اپنا مقصدِ حیات بنالیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں فکر آخرت کی توفیق دے اور ایمان بالآخرت کے منطقی تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین!

دیں روحِ رواں است

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

امریکہ، یورپ کے تحفظ کے لیے دہشت گردی کے نام پر مسلم دنیا میں ایک لامنتہا جنگ لڑی جا رہی ہے۔ان کے ممالک تو اکا دکا واقعات کے سوا کلیتاً محفوظ ہیں۔ جب ایک آدھ واقعہ ہو جائے تو پوری دنیا میں مبالغہ آمیزیوں کے رنگ بھر بھر کر واویلا کیا جاتا ہے۔تاہم مسلم دنیا میں روزانہ کی بنیاد پر خون کی ندیاں بہا کر اسے دہشت گردی کا کفن دے کر اجتماعی قبروں میں اتار دیا جاتا ہے۔ میڈیا، حکومتیں، قوانین، عدالتیں مل کر پوری امت کی ایسی برین واشنگ کر چکی ہیں کہ اچھے بھلے انسانوں کے دیدے بھی پتھرا گئے اور دل بھی! چشم تصور وا کر کے یہ تصویر دیکھیے: شانوں پر لدا بھورے بالوں والا گلاب رو شامی بچہ، موت کی سفیدی اس خوبصورت جگر گوشے کے سرخ و سفید گالوں پر پھیلی ہوئی ہے۔خون کی سرخی تر بہ تر کپڑوں میں رچی ہوئی ہے۔ابدی نیند کے مزے لوٹتا شامی بھیڑیے بشار الاسد کی فضائیہ کی بمباری کا تازہ شکار! جہاز اور بم تو اندھے ہوتے ہیں۔ بچے، بوڑھے، عورت میں تمیز نہیں کرتے۔یہ ہے آج کی مسلم دنیا کا منظر نامہ ہائی ٹیک، تہذیب انسانی کی معراج پر ایستادہ ہونے کے دعویداروں کی 21ویں صدی کی دنیا۔انسانوں کے چیتھڑے اڑاتی، انصاف، عدل کی دھجیاں بکھیرتی دنیا۔ بشار الاسد، السیسی، حسینہ واجد، مودی اور ان کے سردار اوباما کی دنیا!

مصری ڈکٹیٹر ہمارے ہاں بہتوں کا آئیڈیل ہے۔جس کے نظام عدل نے مصر کو اسرائیل کا محافظ، اسلام پسندوں اور فلسطینیوں کے لیے فراعنہ کا مصر بنا دینے والے حسنی مبارک کو مکمل بری کر دیا! آرمی چیف السیسی نے عوام کے ووٹوں سے منتخب ہر دلعزیز مرسی کا تختہ الٹ کر اب سزاؤں اور پھانسیوں کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ سینکڑوں اخوانیوں کو پہلے سرسری سماعتوں میں سزائیں سنائی گئیں۔ ہزاروں جیلوں، عقوبت خانوں میں ٹھونس رکھے ہیں۔اسی تسلسل میں اب 230 شہریوں کو عمر قید اور 183 سیاسی کارکنوں کو سزائے موت سنائی گئی ہے۔حتیٰ کہ 39 نابالغوں کو 10 سال قید کا تحفہ دیا ہے۔

گلوبل ویلج کے کانے دجال اِدھر دیکھنے والی آنکھ سے اندھے ہیں! ایسے میں عمران خان صاحب پکارے ہیں ٹھیک ڈکٹیٹر مل جاتا تو ملک آگے چلا جاتا! (واقعی آگے۔عدم کو سدھار جاتا۔خدانخواستہ) ان کا یہ کہنا ایسا ہی ہے گویا سورج رات بارہ بجے نکل آیا کرتا تو بجلی کا بحران ختم ہو جاتا۔ جمہوریت کا راگ الاپنے والوں کے فارمولے سارے ڈکٹیٹری ہیں! الطاف حسین الگ مارشل لاء کی دہائیاں دیتے نہیں تھکتے۔اُدھر ریحام خان (فرسٹ لیڈی ان ویٹنگ یعنی منتظر!) گرتی ہوئی پاکستان فلم انڈسٹری کو سہارا دینے کے لیے پرعزم ہیں۔پشتو، اردو فلمیں بنانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔اگرچہ پورا پاکستان ہی گرتی ہوئی فلم انڈسٹری کا شاہکار ہے۔ہمارے حالات کے (فلم) ڈائریکٹرز واشنگٹن اور لندن میں ہوا کرتے ہیں۔جن دھرنوں کی کوکھ سے خاتون کو شوہر ملا وہ دھرنے بھی کینیڈا، لندن، راولپنڈی کے سکرپٹ، ہدایت کاری پر چلے۔تاہم شو فلاپ ہو گیا۔ ڈوبتی انڈسٹری کو سہارا دینے کو دھرنا اٹھا لیا اور عوام کو اس شادی کا جھنجھنا تھما کر مصروف کر دیا!

یہاں طالبان کا نام لینا قومی جرائم میں شامل ہو گیا جبکہ امریکہ نے انہیں دہشت گردوں کی فہرست سے ہی باہر رکھا! کیا یہاں بھی اتباع اوباما میں اچھے طالبان بحال ہو گئے؟ ہمارے ہاں اگرچہ تالبان کا راج ہے۔(طوئے کا استعمال یوں بھی منع ہے)۔ ہر طرف تالے بان، زبان پر تالا، قلم پر تالا، اچانک لندن سے للکار آتی ہے اور ہر دکان پر تالا۔دینی کتب پر، پبلشنگ ہاؤسز پر تالا۔ڈاڑھی والے زیرِ تالا۔اب نئی تیاری پردے والی خواتین پر تالا بندی کی ہے۔جس کے لیے (گزشتہ کالم میں تفصیل تحریر کی تھی) اب شکار پور دھماکے میں عورت کے حملہ آوروں میں ہونے کی پخ لگا دی ہے تاکہ سند رہے۔رہا خبروں کا استناد، تو اسے دیکھنے والا کون ہے۔راولپنڈی دھماکے کے، خودکش حملہ ہونے کے 12 دن بعد مختصر تردید آ گئی۔ اسے پڑھنے والا کون ہے APP! (سرکاری ایجنسی) نے من مانی خبر لگا دی۔اگلے دن سپریم کورٹ سے حامد خان کے للکارنے پر واپس لے لی۔سو کون ہر جگہ للکارتا ہے۔عوام ہر خبر پر ایمان لے آتے ہیں۔ذہن سازی، برین واشنگ جاری ہے۔مدارس پر بلاثبوت کریک ڈاؤن ہو رہا ہے۔مدارس کے معصوم غیر ملکی طلبہ پکڑ کر پہلے جیل رکھے جائیں گے پھر ملک بدر کیے جائیں گے۔یہ ننھے منے سکیورٹی رسکیئے ہیں۔ادھر گھاگ سی آئی اے والے، پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرتے این جی اوز کے جال والے ان کے کاغذات، ویزے کسی پکڑ دھکڑ میں نہیں آتے۔

ع ہیں تلخ بہت بندۂ ''مولوی'' کے اوقات!

ادھر سابق برطانوی وزیراعظم گورڈن براؤن (مدارس کے اثرات زائل کرنے کو) پاکستان میں تعلیم کی بہتری کے لیے 45 کروڑ ڈالر فنڈز جمع کرنے کے لیے پُرعزم ہیں۔انہیں پاکستان سے جو ازلی ابدلی محبت ہے اس سے کون واقف نہیں۔ ملالہ کو گودوں میں کھلا رہے ہیں گورے۔لاڈ، دلار کی انتہا۔ ! اگرچہ خلاف مفاد تو گورا تھوکتا بھی نہیں! ماں سے بڑھ کر چاہے تو پھاپھا کٹنی کہلائے! ہم پر تعلیم کی آڑ میں فکری گمراہی، اخلاقی بے راہ روی، مسخ شدہ تاریخ مسلط کرنے والے ذرا اپنے ہاں شعبہ تعلیم میں فوری مدد کی ضرورت ملاحظہ فرمائیں۔خبر یہ ہے کہ برطانیہ کی چوٹی کی یونیورسٹیوں (آکسفورڈ، کیمبرج) کی 10 لاکھ سے زائد طالبات اعلیٰ تعلیم کا مالی بوجھ برداشت نہ کر پانے کی بنا پر جسم فروشی کے لیے ویب سائٹ پر، پروفائل دیتی پھر رہی ہیں۔ویب سائٹ انتظامیہ کا دعویٰ ہے کہ ہم تعلیم کی خدمت کر رہے ہیں۔ان کی تعلیم؟ یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا! سو ہمارے تعلیمی اداروں میں ایڈ کے نام پر جو ایڈز پھیلائی جا رہی ہے وہ ویلنٹائن ڈے کے پھوڑوں کی صورت بھی سامنے آ رہی ہے۔یو ایس ایڈ، گورڈن براؤن، برٹش کونسل ایڈ کی بدولت

مخلوط تعلیم، (مادر پدر آزاد) ہم نصابی سرگرمیوں کے نام پر رقص و موسیقی، غل غپاڑہ۔ جابجا پردے، حجاب کی حوصلہ شکنی، ایسی اساتذہ، طالبات کو ملازمت، تعلیم سے نکالنے، بے عزت کرنے کے ان گنت واقعات اسلامی جمہوریہ پاکستان کو منہ چڑا رہے ہیں۔

کیا یہ اسی بابائے قوم کا پاکستان ہے جنہوں نے کہا تھا: لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ پاکستان کا دستور کیا ہو گا؟ میں ان کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا دستور تو تیرہ سو سال سے پہلے سے طے شدہ ہے! جس کے لیے مصور پاکستان اقبالؒ نے کہا تھا کہ ملک کی حیثیت جسم کی سی ہے جبکہ دین اس کی روح ہے۔ اس لیے اگر وطن اور ملت کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو ایک ہاتھ میں خرقہ وسجادہ اور دوسرے میں شمشیر و سناں لے کر اٹھو۔ پاکستان کی روح سلب کی جا رہی ہے۔ یہ گورڈن براؤن اور کیری کا ملک نہیں۔ وہ اپنا بدقماش طرز زندگی ہم پر مسلط نہ کریں۔ یہ محمد علی جناح اور اقبالؒ کا پاکستان ہے۔ ہم سے زیادہ غیور تو کیوبا ٹھہرا، جو امریکہ کا ہمسایہ ہے۔ ہم سات سمندر پار بیٹھے لرزتے ہیں۔ فیدل کاسترو نے گوانتانا موبے (عدل وانصاف کی دھجیاں بکھیرنے میں معروف عقوبت خانے کی سرزمین) پر سالہا سال سے سالانہ لیز کے امریکی چیک الماریوں میں ٹھونس رکھے ہیں کیش نہیں کروائے۔ ہمیں امریکہ کے گھٹیا چیک نہیں اپنی زمین واپس چاہیے۔ ادھر ہم نے سالہا سال سے امریکی ڈرونز کے لیے موت کی چراگاہیں کھول رکھی ہیں۔ اقبالؒ کی پکار (زبور عجم) پر کان دھریے۔

باخرقہ و سجادہ و شمشیر و سناں خیز
ازخواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز

☆☆☆

اسلام: ترقی کا ماڈل

حافظ مشتاق ربانی

ہر قوم و ملت کا ترقی کا معیار الگ الگ ہے۔ مغرب کا معیار ترقی اپنا ہے اور مسلمانوں کا اپنا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

اقبال ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

قرآن کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر ترقی کی۔ آج بھی قرآن کی یہی صدا ہے کہ: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران 139) ’’اور کمزوری مت دکھاؤ اور غم نہ کرو۔ تم ہی غالب آؤ گے اگر تم مومن ہوئے‘‘۔ اس آیت مبارکہ میں غلبہ کی بنیاد ایمان کو قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کی دیگر آیات مل کر ترقی کا ایک اعلیٰ ماڈل پیش کرتی ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ (الانفال: 60) ’’اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے تیار رکھو، تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔‘‘

ترقی کسی ایک یا چند پہلوؤں میں بہتری آنے کو نہیں کہتے، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں درستی کو کہتے ہیں۔ مانا کہ مغرب نے ٹیکنالوجی میں ترقی کر لی، لیکن کیا اس کی معاشرت ایسی ہے جس کی نقالی کی جائے۔ تسلیم کہ انہوں نے سیاسی نظام کے لیے جمہوریت کی شکل میں ایک مضبوط ڈھانچہ بنا لیا، لیکن کیا وہ اُس کو دنیا بھر میں ظلم و ستم کے لیے نہیں استعمال کرتے۔ مغرب کا انسان جس اندرونی قلق کا شکار ہے کیا وہ قابل رحم نہیں ہے؟ مغرب مابعد الطبیعیات کے بارے میں جو فلسفیانہ سوچ رکھتا ہے کیا وہ قابل تحسین ہے یا اس میں اتنی بہتری کی ضرورت ہے کہ وہ از کم حیات بعد الممات کے تصور سے کسی قدر آشنا ہو جائیں۔ ہمیں انہیں اسلام کی روشنی دکھانی چاہیے بجائے اس کے ہم جاہلیتِ جدیدہ پر قائم رہنے کے لیے ان کو دلائل فراہم کریں اور ان کے بُرے اعمال انہیں مزین کر کے دکھائیں

مغرب کا معاشرہ خود اپنی نام نہاد ترقی سے نالاں ہے، لیکن ہم ان کے نظام زندگی کی تعریف کرتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں ہم روبہ زوال ہو رہے ہیں اور ہم انہیں ترقی کے تخت پر دیکھتے ہیں۔ وہ اسلام میں پناہ اور حفاظت سمجھتے ہیں اور ہم ان کی گمراہی کی طرف لپکے جا رہے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک ان کا اسلام کی طرف آنا غلط بیانی لگ رہا ہے تو یہ جو آئے روز رپورٹیں آتی ہیں کہ مغرب میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے کیا وہ سب غلط ہیں۔ مغرب میں اسلام کے پھیلنے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہوش مند افراد جب اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں اسلام کی باتیں عقل کے مطابق نظر آتی ہیں۔ ان کا اسلام کی طرف مائل ہونے کا دوسرا سبب یورپ کا اسلام سے عناد اور مسلمانوں سے جارحانہ طرز عمل ہے۔ وہاں کے لوگوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یورپ مسلمانوں سے کیوں بغض رکھتا ہے، جب وہ اس سوال کے جواب کے لیے سفر شروع کرتے ہیں تو انہیں تعصب اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ بالآخر وہ اسلام کی آغوش میں سکون پاتے ہیں۔

ہم یوں کیوں نہیں کہتے کہ مسلمان آج جس ادبار کا

دعائے صحت کی اپیل

☆ حلقہ پنجاب شرقی کے منفرد اسرہ بورے والا کے رفیق بشیر احمد کا بیٹا گردوں کے عارضے میں مبتلا ہے۔ ICU میں داخل ہے۔

☆ لاہور میں مقیم رفیق تنظیم کے کزن سخت علیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ بیماروں کو صحت کاملہ، عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ (آمین) قارئین ندائے خلافت سے بھی اُن کے لئے دُعائے صحت کی اپیل ہے۔

شکار ہے وہ اسلام سے دوری کی وجہ سے ہے۔ ہم ہزیمت کی وجہ اور امور میں تلاش کرتے ہیں، حالانکہ اصل سبب دین سے روگردانی ہے۔ اس حدیث سے ہم عملی لحاظ سے کیوں انکار کرتے ہیں کہ: ((ان اللہ یرفع بھذا القرآن اقواما ویضع بہ آخرین)) ''اس قرآن کو تھامنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اقوام کو ترقی عطا کرے گا اور اس سے دور ہونے کی وجہ سے ترقی سے زوال کی طرف لے جائے گا''۔ بعض کوتاہ نظر یہ کہتے ہیں کہ مغرب نے قرآن پر ایمان لائے بغیر ترقی کی ہے۔ انہیں سمجھنا چاہیے کہ مغرب کی ترقی حقیقی ترقی نہیں ہے۔ وہ یک رخی ترقی ہے، بلکہ اُن کا ترقی کا تصور ہی یک رُخا ہے مغرب کی ترقی جھوٹی صناعی اور چمک ہے۔ وہ نظروں کا دھوکا ہے۔ اس میں پائیداری نہیں ہے۔ وہ ایک سراب ہے۔ علامہ اقبال حقیقت کی نظر رکھنے والے تھے۔ اقبال نے وہاں کی تہذیب کا مشاہدہ کیا، پھر بھی جلوہ افرنگ سے مرعوب نہیں ہوئے کیونکہ ان کی آنکھ میں مکہ و مدینہ کا سرمہ تھا اور وہ اس ادب سے آشنا تھے جو نجف میں مدفون پاکیزہ ہستیوں نے تخلیق کیا تھا۔ اقبال فرماتے ہیں۔

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

مغرب آج جس ترقی پر ناز کر رہا ہے اس کی بنیادیں کچی ہیں، اس لیے ان کا سسٹم ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

مغرب نے ٹیکنالوجی میں جو ترقی کی اسلام اُس کی یکسر نفی نہیں کرتا۔ اسلام میں ہیومن ازم یعنی عقل اور فطرت کو اعلیٰ مقام دیا گیا ہے، بلکہ اسلام ایسا دین ہے جو عقل کو استعمال کرنے پر ابھارتا ہے اور اندھی تقلید کی مذمت کرتا ہے۔ ہم کہتے ہیں ترقی کا ماڈل علم ہے۔ اسلام علم حاصل کرنے سے نہیں روکتا بلکہ حصول علم پر زور دیتا ہے۔ اسلام کا آغاز ہی علمی تحریک سے ہوا۔ اسلام ایسے علم پر زور دیتا ہے جو ترقی کا ضامن ہو یعنی نفع رساں علم۔ اور وہ ایسا علم ہے جس کی بنیاد اللہ اس کے رسول ﷺ سے منسلک ہو۔ ہمارے ہاں خود کو دانشور کہلانے والوں کو سیکولرازم بڑا عزیز ہے۔ ایسے لوگ حقیقت کی نظر کیوں نہیں رکھتے کہ اسلام نے دنیا کو بڑا مقام دیا ہے ہے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اسلام دنیا کی اہمیت سے انکاری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ اللہ نے ہمیں دعا سکھائی ہے ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ''اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما''۔ اور اگر کوئی کہتا ہے کہ اسلام سیکولرازم کا حامی ہے یعنی اسلام کا تعلق فرد کی انفرادی زندگی سے ہے، اجتماعی زندگی سے اس کا کوئی سروکار نہیں تو یہ سوائے مغالطہ کے کچھ نہیں اور ایسی سوچ رکھنے والوں کو اسلام کا نئے سرے مطالعہ کرنا چاہیے۔ اسلام ایک مکمل دین ہے، وہ زندگی کے ہر معاملے میں مکمل راہنمائی کرتا ہے۔

سائنسی ترقی سے کوئی مسلمان نہیں روکتا۔ سب سائنسی ترقی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اسلام نے نفع بخش علم کو صدقہ جاریہ قرار دیا ہے۔ خواہ مخواہ اسلام اور مسلمانوں کو سائنس دشمن ہونے کا الزام نہیں دینا چاہیے۔ اسلام آرٹ کی نفی نہیں کرتا۔ وہ چاہتا ہے کہ زندگی کی نیک اقدار کو آرٹ کے ذریعے سے فروغ ملے۔ اسلام ایسی آرٹ پر پابندی عائد کرتا ہے جس کے ذریعے سے فحاشی کی تشہیر کی جائے۔ آرٹ کے ذریعے سے آپ عفت وعصمت کو اجاگر کریں، حیا اور پاکدامنی کو فروغ دینے کے لیے کوشاں ہوں۔ ہم مصوری کو حیا مخالف سرگرمیوں کے لیے استعمال کریں گے تو ترقی کی بجائے بگاڑ آئے گا۔ آرٹ میں فطرت کو دکھائیں، تاکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار ہو۔ آرٹ میں صبر پیش کریں، سچ کو دکھائیں۔ اسلام ہم اہل پاکستان کی قومی زندگی اساس ہے۔ اسی کے لیے پاکستان قائم ہوا۔ ہم محمد رسول اللہ کے غلام ہیں۔ حُبّ رسول ہمارا اصل سرمایہ ہے۔ اسلام دراصل ایک مہذب ثقافت کا نام ہے جس کی اپنی اقدار ہیں۔ ان اقدار سے انحراف اپنی شناخت کھو دینے کی بات ہے۔ اسلام میں گوڈ گورننس کی اپنی اہمیت ہے جس کی عمدہ مثال خلفاء راشدین ہیں۔ اسلام کے اس سنہری دور میں انفراسٹرکچر کے حوالے سے قابل قدر پیش رفت ہوئی۔ ملک سے لاقانونیت اور دہشت گردی کے فتنہ کی سرکوبی کے ضروری ہے۔ تاہم ہم عسکریت پسندی کی اہمیت سے کیسے انکار کر سکتے ہیں جبکہ عسکریت پسندی مغرب (جس کو ماڈل قرار دیا جا رہا ہے) اس کا مؤثر ہتھیار ہے۔ انہوں نے گزشتہ صدی میں دو جنگوں میں جو تباہی و بربادی پھیلائی کیا اس کی کوئی نظیر ملتی ہے؟ اس تباہی کے بارے میں جان کران سے ان کے موجودہ نظام کے تحت امن کی امید رکھنا ایک وہم ہی ہو سکتا ہے۔ ہمارا دین امن چاہتا ہے۔ وہ قیام امن کے لیے عسکریت پسندی کی اپنے خاص مفہوم میں حمایت کرتا ہے۔ اسلام میں عسکریت پسندی کی بجائے جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی مقدس اصطلاحیں ہیں۔ مسلمانوں کے بعض لوگ اگر کوئی وحشت ناک کارروائیاں کرتے ہیں تو یہ ان کی مذموم حرکات ہیں، جن سے ان کو باز آنا چاہیے۔ اسلام قطعاً کسی بے گناہ کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ حالت جنگ میں بھی بچوں، بوڑھوں اور عورتوں سے تعرض کرنے کی تعلیمات دیتا ہے۔

ہم فطرت کی بات کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی دین فطرت ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ فطرت کے اصولوں کو ڈھونڈھا جائے اور کائنات کی تسخیر کی جائے۔ آج دنیا میں جو ٹیکنالوجی، سائنس اور فطرت کے اصول نظر آتے ہیں وہ تمام انسانوں کی مشترکہ کاوش ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف اہل مغرب کی ایجاد ہے، اسلام اور مسلمانوں کا اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ انسانوں کی ایک اجتماعی کاوش ہے۔ اس میں مغرب اور مسلمانوں کی تقسیم درست عمل نہیں ہے۔ یاد رہے کہ ترقی کا سفر رکتا نہیں، وہ جاری رہتا ہے۔ یہ ناانصافی ہے کہ سائنسی ایجادات کا سہرا صرف اہل مغرب کی جبین پر سجا دیا جائے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ مبتدی رفیق تنظیم اسلامی ٹنڈو آدم محمد احسان بھٹی کی ہمشیرہ گزشتہ ہفتہ رضائے الٰہی سے انتقال کر گئیں

☆ مبتدی رفیق تنظیم اسلامی ٹنڈو آدم محمد سلیم مدنی کے چچا گزشتہ ہفتہ رضائے الٰہی سے انتقال کر گئے

☆ تنظیم اسلامی حلقہ مالاکنڈ کے ملتزم رفیق جناب محمد صدیق سواتی کے ماموں اور مبتدی رفیق آفتاب احمد کے دادا وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ (آمین)۔ قارئین سے بھی مرحومین کے لئے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

دعوت دین کیا ہے؟

محمد الغزالی

اسلام نام ہے اللہ کی معرفت کا، اس کے حکموں کے آگے اپنے آپ کو جھکا دینے کا اور پھر پوری کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جانے کا جو اس کی تسبیح میں مصروف اور اس کی عظمت و کبریائی کا اعلان کر رہی ہے۔ اسلام میں کسی روحانی یا سیاسی بت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور افراد اور جماعتوں کو اس سے بچانے اور محفوظ رکھنے والا شعار اللہ اکبر کا اعلان ہے۔ جسے دن میں پانچ بار بڑی شدومد سے مؤذن دوہراتا ہے۔ اللہ اکبر کا یہ مختصر کلمہ ہی عوام کی صحیح قیادت کر سکتا ہے اور انہیں صحیح سمت میں گامزن رکھ سکتا ہے۔ لیل ونہار کی گردش میں امت اس کے لئے کام کر رہی ہوتی ہے یا نئے سرے سے تازہ دم ہو کر اس کی تیاری کر رہی ہوتی ہے۔ دعوت دین کے لئے ہونے والی کوششیں خود اس بات کا واضح ثبوت ہیں اور کھلے بندوں اس کا اعلان کر رہی ہیں۔

بہتیرے اچھے مقرر، واعظ اور آتش بیان خطیب اپنی تقریروں سے لوگوں کے دلوں کو پگھلا دیتے ہیں، اچھی باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، عبادات پر زور دیتے ہیں اور لمبے لمبے جلسوں میں پندونصائح سے سامعین پر اپنا اچھا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن اس میں اختصار اور سامعین کی قوت برداشت کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ مختلف اوقات میں اپنے اصحاب کو نصیحت کرتے تھے تاکہ وہ اکتا نہ جائیں۔ دین کی دعوت کا دائرہ ان مؤثر و بلیغ خطبوں اور نصائح تک محدود نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ وسیع اور زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔

نشریاتی پروگراموں میں مختلف موضوعات پر بولنے والے بھی بسا اوقات داعی شمار ہونے لگتے ہیں حالانکہ یہ دعوت اسلامی کی مجازی تعریف تو ہو سکتی ہے حقیقی نہیں، اس لئے کہ تعلیم و تدریس اور مذاکرہ و سمپوزیم میں حصہ لینا اسلامی پیغام کے بعض علمی پہلوؤں کا حصہ ہیں۔ اسلامی دعوت کا میدان کار بہت وسیع ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات کا نام ہے جس میں تعلیم و تربیت، قانون سازی و عدل گستری، پولیس اور فوج، داخلہ و خارجہ پالیسی سبھی شامل ہیں۔ ہر اس تہذیبی سرگرمی کی حفاظت جس کے ذریعے اسلامی انقلاب کی گاڑی حرکت کر سکے، اسلام اور دعوت کے دائرے میں شامل ہے۔

جب کمیونزم اپنی سرزمین میں ہر چیز پر اپنی سرخ چھاپ لگانا ضروری سمجھتا ہے تو اسلام جو ازلی و ابدی دین ہے، اس سے یہ توقع کیسے رکھی جاتی ہے کہ وہ سوسائٹی کے ایک تنگ یا وسیع شعبہ پر اپنی چھاپ ڈال کر خاموش ہو جائے گا۔ وہ ہر ہر چیز کو اپنے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے، تاکہ اسے اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کیا جا سکے اور اس پر خالص اللہ کا رنگ چڑھایا جا سکے۔

اسلامی ریاست اپنے اندرونی و بیرونی تمام معاملات و وسائل میں اپنے مذہب کی آئینہ دار ہوتی ہے، اسی کے لئے سرگرم عمل ہوتی ہے، اسی کا پرچم لہراتی اور اسی کی خاطر دوستی اور دشمنی کرتی ہے۔ ریاست میں ہونے والی ہر کوشش ایک معیّن اسلامی عمل کے ماتحت انجام پاتی ہے اور ان تمام اعمال اور کوششوں کو شامل کر کے ہی ایمان کے شعبوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

جس طرح کمیونسٹ کارکنوں سے، چاہے وہ فضائی جنگ میں مصروف ہوں یا کارل مارکس کا فلسفہ پڑھاتے ہوں، یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ ان کی سرگرمیاں ایک ہی مقصد کے لئے انجام پائیں گی، اسی طرح اسلام سے وابستہ رہنے والوں......چاہے ان کا دائرہ کار مختلف ہو...... حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وسیع وعریض میدان کار میں دعوت اسلامی کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں اور اپنی اپنی صلاحیتوں اور رجحانات کے مطابق دعوت کے عظیم تر مفاد کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا پیغام اور یہ ہے اس پیغام کے علمبرداروں کی صحیح تصویر!

حضور اکرم ﷺ کا حیرت انگیز کارنامہ یہی ہے کہ آپ نے جزیرۂ عرب سے ایک ایسی نسل اٹھائی جو اس پیغام کو بخوبی سمجھتی تھی۔ اس کا جینا اور مرنا اسی پیغام کی سربلندی کے لئے تھا۔ یوں تو ہر اصلاح پسند فلسفی کے لئے یہ آسان ہے کہ وہ اپنے افکار و خیالات کسی کتاب میں جمع کر دے، لیکن کسی پیغام کے ممد و معاون نفسیاتی عقلی اور اجتماعی اسباب وسامان فراہم کرنا، جس طرح شہد کی مکھی شہد پیدا کرنے کے لئے اپنے چھتے میں کام کرتی ہے، بالکل دوسری ہی چیز ہے جو اپنے الگ تقاضے رکھتی ہے۔

اسلام کا لافانی و آفاقی پیغام جسے حضرت محمد ﷺ نے پوری دنیائے انسانیت تک پہنچایا اور جسے پھیلانے کے لئے مختلف صلاحیتوں، متنوع طاقتوں اور ارادوں کے مالک جاں نثار اُٹھ کھڑے ہوئے، اس کی کامیابی ممکن نہ تھی اگر آپ نے لوگوں کے دلوں میں اپنے ایمان و یقین اور اپنے اخلاص وللّٰہیت کے جام نہ انڈیلے ہوتے اور ان کی بہترین تربیت نہ کی ہوتی۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں لگ بھگ ایک لاکھ آدمیوں نے حضور ﷺ کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا۔ آپ کی باتیں غور سے سنیں۔ آپ انہیں اسلام کی خاص خاص چیزوں کی یاد دہانی کرا رہے تھے اور کہتے جاتے تھے: ''اے اللہ! میں نے تیرا دین پہنچا دیا، تو گواہ رہنا!''

ان ہزاروں اصحاب کرامؓ نے اللہ کا دین حاصل کیا اور زمانے تک اسے پہنچانے میں لگ گئے۔ اللہ کے رسول اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور آپ کا پیغام باقی رہا۔ آپ کی مبارک شخصیت تو ہمارے درمیان سے اٹھ گئی لیکن کتاب وسنت کی تعلیمات ہمارے درمیان آج بھی موجود ہیں۔

یہیں سے آپ کے پیارے صحابہؓ نے توحید کی اشاعت، عدل وانصاف کا قیام، اوہام وخرافات اور باطل نظریات سے جنگ کی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار ملا تو انہوں نے نماز قائم کی، زکوٰۃ دی، نیک باتوں کا حکم کیا اور برائیوں سے روکا۔

اس طرح عہد نبوت میں دعوت اسلامی کا کام فروغ پایا اور اس کے بعد خلافت راشدہ میں اس نے ایک نئی کروٹ لی۔

انقلابی دعوت وتربیت اور اس کا ذریعہ

ڈاکٹر اسرار احمدؒ
بانی تنظیم اسلامی

انقلابی جدوجہد میں دعوت کے ساتھ تربیت کا مرحلہ آتا ہے۔ اس کی اہمیت کو اکبر الٰہ آبادی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
اِن خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر!

علامہ اقبال نے اکبر الٰہ آبادی کو اپنا مرشدِ معنوی مانا ہے۔ اسی حقیقت کو اقبال نے جس طرح ادا کیا ہے اس کی اپنی ایک شان ہے۔ فرمایا: ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو!

اور علامہ کی فارسی شاعری میں یہ مضمون نقطۂ عروج پر آتا ہے ؎

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!!

یہ تربیت ہے‘ یہ تزکیہ ہے‘ یہ تعلق باللہ ہے‘ یہ رضائے الٰہی کے حصول کی آرزو اور تمنا ہے۔ ان چیزوں سے وہ اجتماعی طاقت وجود میں آتی ہے جس کو سلطنتِ جم پر دے مارنا ہے‘ جس کو باطل اور طاغوت سے جا ٹکرانا ہے۔

انقلابی عمل کے اگلے تین مراحل صبرِ محض‘ اقدام اور مسلح تصادم ہیں۔ لیکن یہ جو پہلا مرحلہ ہے‘ جسے انقلابی عمل میں اصل حیثیت واہمیت اور اوّلیت حاصل ہوتی ہے‘ اس کے دو مرحلے وہ ہیں جہاں جہاد قرآن کے ذریعے ہو گا۔ پہلا مرحلہ نظریاتی تصادم اور نظریاتی کشمکش کا ہے اور اس کے لیے بندۂ مؤمن کے ہاتھ میں جو تلوار ہے وہ قرآن ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا﴾ اس کے ساتھ حکمت بھی ہو۔ فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مِمَّا أَوْحٰى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ کہ اس حکمت کے ذریعے دعوت وتبلیغ ہو۔ یہ قرآن موعظۂ حسنہ بھی ہے۔ فرمایا: ﴿قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ اسی میں جدال بھی ہے۔ مشرکین‘ ملحدین‘ منافقین اور اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ کا ذریعہ بھی یہی قرآن ہے۔ سورۃ النحل کی اس آیت میں یہ تمام طریقے نہایت حسین انداز سے آ گئے ہیں: ﴿ادْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ﴾ (آیت:125) پس قرآن کی تلوار ہاتھ میں لے کر نظریاتی تصادم اور کشمکش کے میدان میں کود پڑو۔ انذار قرآن کے ذریعے سے ہو۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۚ﴾ (الانعام:19) تبشیر قرآن کے ذریعے سے ہو۔ سورۂ مریم کی آیت میں بھی انذار اور تبشیر دونوں کا ذریعہ قرآن ہی کو قرار دیا گیا ہے: ﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾﴾ میں اپنے اس احساس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ اس ”بِہٖ“ پر ہمارے اکثر اہلِ علم نے کما حقہٗ توجہ نہیں دی۔ سورۃ الکہف کی پہلی دو آیات میں بھی نہایت خوبصورت اسلوب سے انذار وتبشیر کے لیے ذریعہ قرآن ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا ﴿١﴾ قَيِّمًا لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ﴿٢﴾﴾

”کل حمد وثنا اور شکر وسپاس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہ رکھی۔ ٹھیک ٹھیک سیدھی بات کہنے والی کتاب‘ تاکہ وہ لوگوں کو خدا کے سخت عذاب سے خبردار کر دے اور ایمان لا کر نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبری دے دے کہ ان کے لیے اچھا اجر ہے۔“

تذکیر ہو تو قرآن سے ہو۔ فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ﴿٤٥﴾﴾ (ق) ”پس تم اس قرآن کے ذریعہ سے ہر اُس شخص کو نصیحت کر دو جو میری تنبیہہ سے ڈرے“۔ معلوم ہوا کہ دعوت وتبلیغ کہہ لیں یا نظریاتی تصادم وکشمکش کہہ لیں‘ اس کا ذریعہ اس کا آلہ قرآن حکیم ہے۔ جبکہ ہم نے تو اس قرآن کو وعظ کا ذریعہ بھی نہیں بنایا۔ اقبال نے اس کا مرثیہ کہا ہے ؎

واعظ دستاں زن و افسانہ بند
معنیٔ اُو پست و حرفِ اُو بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ اُو
با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ اُو

یعنی واعظ کا حال یہ ہے کہ ہاتھ خوب چلاتا ہے اور سماں بھی خوب باندھتا ہے۔ اس کے الفاظ بھی پُرشکوہ اور بلند وبالا ہوتے ہیں لیکن معنی ومفہوم کے اعتبار سے نہایت پست اور ہلکے۔ اس کا سارا وعظ قرآن کے بجائے خطیب بغدادی اور دیلمی سے ماخوذ ہوتا ہے اور اس کا سارا سروکار بس ضعیف‘ شاذ اور مرسل روایات سے رہ گیا ہے۔ ہمارے عام واعظین نہ معلوم کہاں کہاں سے ضعیف حدیثیں لاتے ہیں۔ میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ بدقسمتی سے ہمارے دور میں ضعیف حدیثوں کے حوالے سے تبلیغ ایک باقاعدہ ادارے کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ فضائل کے بیان اور نیکیوں کی تلقین کے لیے اولیائے کرامؒ کی غیر مصدقہ کرامات کا ذکر ہے۔ وعظ ونصیحت کے لیے ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کا سہارا ہے‘ حالانکہ موعظہ حسنہ تو یہ قرآن ہے۔ دل کی کایا پلٹ دینے کے وصف کا حامل یہ قرآن ہے‘ لیکن تلقین یہ کی جاتی ہے کہ اس کو سمجھنا بھی مت! تفسیر تو درکنار اس کا ترجمہ بھی نہ پڑھنا! اس کی تو بس تلاوت کر کے ثواب حاصل کر لیا کرو!

انقلابی عمل میں پہلا مرحلہ دعوت کا ہے‘ جس کے لیے نظریاتی تصادم میں ہماری تلوار قرآن ہے‘ اگرچہ اس کا حق ادا کرنا اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) کی بشارت نبویؐ کو چند سعید روحیں اپنا مقصد زندگی بنائیں۔ اُن کو اس کے لیے زندگیاں لگانی ہوں گی۔

دوسرا مرحلہ ہے تربیت۔ اس کے لیے بھی ہمارے پاس اصل تلوار قرآن ہے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ قرآن مدعی ہے اس حقیقت کا کہ ﴿شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ﴾ میں ہوں۔ لیکن ہم نے تزکیۂ نفس کے لیے کہاں کہاں بھیک مانگی ہے اور پھر اس کے لیے فلسفے اور پورے پورے نظام مدوّن کیے ہیں۔ مگر اِس کوچے میں گزر نہیں ہے تو قرآن

کانہیں ہے۔ اقبال نے اس کا بھی نوحہ کیا اور مرثیہ کہا ہے ؎

صوفی پشینہ پوشِ حال مست
از شراب نغمہ قوال مست
آتش از شعر عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

’’پشمینہ پوش صوفی اپنے حال میں مست اور قوالی کی شراب سے مدہوش ہے۔ اس کے دل میں عراقی کے شعر سے آگ بھڑک اُٹھتی ہے، لیکن اس کی محفل میں قرآن کا کہیں گزر نہیں ہے۔‘‘

اور بالفرض کچھ ہو بھی تو اس کا کوئی اثر نہیں‘ جو مدعی ہے ’’شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ‘‘ ہونے کا اور جس کے بارے میں اُس کا نازل کرنے والا خود ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا ہُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ (بنی اسرائیل:82)

’’ہم اس قرآن کے سلسلۂ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو اہل ایمان کے لیے شفا اور رحمت ہے۔‘‘

لیکن اس کی ناقدری کا یہ عالم ہے کہ ہم نے سارے کوچے کھنگال لیے‘ در در سے بھیک مانگ لی‘ لیکن یہ دروازہ بند ہے۔ حالانکہ تربیت و تزکیہ بھی اسی قرآن کے ذریعے ہوگا! میں سمجھتا ہوں کہ اس بات کو بھی اس دور میں اقبال نے خوب پہچانا ہے۔ میں علمائے کرام کی عظمت اور ان کے مقام و مرتبہ کا معترف ہوں‘ لیکن اس حقیقت کو بیان کیے بغیر بھی چارہ نہیں کہ ان حقائق کا جو انکشاف اقبال پر ہوا ہے اور ان کا جو شعور وادراک علامہ کو حاصل ہوا ہے وہ مجھے اس دور میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ کس خوبصورتی سے کہتے ہیں: ؎

کشتن ابلیس کارے مشکل است
زانکہ اُو گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیر قرآنش کنی!

’’شیطان کو بالکل ہلاک کر دینا بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے کہ وہ انسان کے دلوں میں ڈیرا لگا لیتا ہے اور اس کی رسائی انسان کے دل کی گہرائیوں تک ہے۔ بہتر راستہ یہ ہے کہ اسے قرآن کی حکمت و ہدایت کی شمشیر سے گھائل کر کے مسلمان بنا لیا جائے۔‘‘

غور کیجیے ہر شعر میں احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مفہوم کو کس خوبی سے سمو دیا ہے! یہ حدیث نبویؐ گزر چکی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ((اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَجۡرِیۡ مِنَ الۡاِنۡسَانِ مَجۡرَی الدَّمِ)) (متفق علیہ) ’’شیطان انسان کے وجود میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے جیسے کہ خون‘‘۔ پہلے شعر میں اس کا حوالہ ہے۔ دوسرا شعر بھی ایک حدیثِ نبویؐ سے ماخوذ ہے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ کسی صحابی نے بڑی ہمت اور جرأت کی (اللہ تعالیٰ انہیں اجر دے‘ وہ دریافت نہ کرتے تو یہ حکمت ہم تک کیسے پہنچتی) انہوں نے سوال کیا کہ حضور ﷺ! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: ’’ہاں ہے‘ لیکن میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے!‘‘ یہ ہے وہ بات جو دوسرے شعر میں علامہ نے کہی ہے کہ اس قرآن کی شمشیر سے گھائل کر کے شیطان کو مسلمان بنایا جا سکتا ہے۔

اگر زہر ایسا ہے جو پورے وجود میں سرایت کرتا ہے تو یہ قرآن بھی وہ تریاق ہے جو پورے وجود میں سرایت کرتا ہے۔ ظاہر ہے اگر تریاق زہر سے زیادہ مؤثر نہ ہو تو زہر کا اثر کیسے زائل ہوگا! اس بات کو بھی اقبال نے اس طرح کہا ہے ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود!

یعنی یہ قرآن جب کسی کے اندر سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب آ جاتا ہے۔ اب وہ انسان بالکل بدلا ہوا انسان بن جاتا ہے۔ یہ باطنی انقلاب ہے‘ اندر کی تبدیلی ہے۔ یہ باطنی انقلاب‘ یہ اندر کی تبدیلی ایک عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بنتی ہے‘ ورنہ انقلاب کہاں سے آئے گا۔ ’’جہاں دیگر شود‘‘ کا اصل مفہوم تو یہ ہوگا کہ جس انسان کے اندر قرآن کے ذریعے تبدیلی آ گئی اس کے لیے جہاں بدل گیا‘ اس کی دیکھنے والی نگاہ بدل گئی‘ اس کا زاویۂ نظر بدل گیا‘ اس کی اقدار بدل گئیں۔ اب اس کے لیے یہ جہاں وہ نہیں ہے‘ بلکہ ’’جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا یہ عالم پیر مر رہا ہے‘‘ والا معاملہ ہے۔ جب کسی کے دل میں قرآن اتر جائے تو اس کے لیے اب یہ عالم نیا عالَم ہے۔ اس کا نقطۂ نظر اور مطلوب و مقصود بدل گیا ہے۔ اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ اگر ایسے فدائین کی ایک منظم جماعت وجود میں آ جائے جن کے دلوں میں قرآن جاگزیں ہو جائے تو یہ تبدیلی عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر جوشِ ایمانی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ اسی قرآن کی بدولت ہی پیدا ہوا تھا۔ یہ مختصر سی اور بے سروسامان جماعت ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں تلوار لے کر کسریٰ و قیصر یعنی وقت کی دو عظیم سلطنتوں سے جا ٹکرائی تھی اور بیس سال کے مختصر عرصہ میں اول الذکر کو بالکل نیست و نابود کر کے رکھ دیا تھا‘ جبکہ آخر الذکر کو مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ سے بالکلیہ بے دخل کر دیا تھا اور ان علاقوں پر اللہ کے دین کا جھنڈا لہرانے لگا تھا۔

حاصلِ کلام یہ کہ انقلابی عمل کی دو سطحیں ہیں‘ یا یوں کہہ لیں کہ جہاد کے دو levels ہیں۔ مجاہدہ مع النفس کے لیے ہمارا آلۂ جہاد قرآن ہے اور نظریاتی کشمکش اور تصادم کے لیے بھی ہماری تلوار قرآن ہے۔

تزکیۂ نفس کے لیے قرآن نے جو پروگرام دیا ہے‘ اس میں دو مؤثر ترین چیزیں ہیں‘ ایک قیام اللیل‘ دوسری اس قیام میں ترتیل کے ساتھ زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت وقراءت۔ ابتدا میں قیام اللیل کا حکم اطلاقی شان کے ساتھ آیا تھا:

﴿یٰۤاَیُّہَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصۡفَہٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ قَلِیۡلًا ۙ﴿۳﴾ اَوۡ زِدۡ عَلَیۡہِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ﴿۴﴾﴾ (المزمّل)

’’اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے (ﷺ)! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم۔ آدھی رات‘ یا اس سے کچھ کم کر لو‘ یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو‘ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔‘‘

بعد میں جب اس نے ایک معین شکل اختیار کی تو حکم آیا:

﴿وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ٭ۖ﴾ (بنی اسرائیل:79)

’’اور رات کو اِس (قرآن) کے ساتھ قیام کرو‘ یہ تمہارے لیے نفل ہے۔‘‘

رات کا جاگنا اور مجرد جاگنا نہیں‘ بلکہ قیام میں قرآن کی طویل قراءت و تلاوت‘ یہ دو ہتھیار ہیں جن سے ایک بندۂ مؤمن کی جہاد بالقرآن کے لیے سیرت کی تعمیر ہوتی ہے اور اس دعوت موعظہ اور مجادلہ میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قرآن کو ہاتھ میں لے کر ہمیں باطل کے خلاف نبرد آزما ہونے اور خود اپنے شیطان اور اپنے نفس سے لڑنے کے لیے اس قرآن کی تلوار کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ آنِسْ وَحْشَتَنَا فِیْ قُبُوْرِنَا‘ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا بِالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ‘ وَاجْعَلْہُ لَنَا اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً‘ اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنَا مِنْہُ مَا نَسِیْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْہُ مَا جَھِلْنَا‘ وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَہٗ آنَاءَ الَّیْلِ وَآنَاءَ النَّھَارِ وَاجْعَلْہُ لَنَا حُجَّۃً یَّا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ oo

☆☆☆

داعی کا ذاتی کردار

فریداللہ مروت

کسی بزرگ کا قول ہے ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام مخلوق کو پہنچانے کا فرض اپنے ذمے لے اسے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔''

یہ چھوٹا سا قول ہے مگر اپنے اندر معنی کا سمندر رکھتا ہے۔ جس کسی کے دل میں خوش قسمتی سے یہ احساس فرض پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کے دین سے متعارف کراؤں، اسے یاد رکھنا چاہیے کہ لوگوں کے سامنے وہ اللہ تعالیٰ کے جس دین کو پیش کر رہا ہے اس نے خود اس کی اپنی زندگی پر کتنا اثر ڈالا ہے کیونکہ اگر وہ یہ دیکھیں گے کہ اس کی اپنی زندگی اس کی برکات سے خالی ہے تو وہ اس کی زبان سے پہنچائے ہوئے پیغام پر زیادہ بھروسہ نہیں کریں گے۔

ذیل میں ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو بے حد عبرت انگیز ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے جب لاہور میں بکثرت ہندو آباد تھے، ایک مخلوط محلے میں صبح صبح ایک ہندو عورت اپنے دیر تک سوئے رہنے والے بیٹے پر ناراض ہو رہی تھی ''ارے، تیرا ستیاناس! تو بھی مسلمانوں کی طرح دن چڑھے تک سویا رہتا ہے۔'' اب اگر اس عورت کو بتایا جاتا کہ مسلمانوں پر تو صبح کی نماز فرض ہے، جس کا وقت طلوع آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے تو اسے کس طرح یقین آتا کیونکہ اس نے اپنے اردگرد جو کچھ دیکھا تھا وہ تو یہی تھا کہ مسلمان دن چڑھے تک سوئے رہتے ہیں۔

مختلف مذاہب پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت ایک دوسرے کے مذاہب کی مقدس کتابیں کھول کھول کر نہیں پڑھتے بلکہ صرف ان مذاہب پر ایمان رکھنے والے لوگوں کے کردار کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہ کردار ناپسندیدہ ہوں تو پھر ان کے دلوں میں ان مذاہب کی طرف میلان پیدا ہونے کا بہت کم امکان ہوتا ہے، چاہے ان مذاہب کے بے کردار پیرو انہیں اپنے مذاہب کی طرف لانے کے لئے کتنے ہی جتن کیوں نہ کریں۔ اگر ہم نے دوسرے انسانوں کو اپنی طرف مائل کرنا ہے کہ آخری نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین کو مانیں تو پھر لازم ہے کہ ہم خود اپنی زندگیوں کو اس عالی وقار نبی ﷺ کی سنت کے مطابق ڈھالنے کی امکان بھر کوشش کرتے رہیں، ورنہ ہماری تبلیغ بالکل بے اثر رہے گی۔ تبلیغ دین کے لئے خود اپنا کردار درست رکھنا کتنا ضروری ہے، ذیل کی آیات اور احادیث اس کی اچھی طرح وضاحت کر دیتی ہیں۔ سورۃ الصف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔''
(آیات:2,3)

حضور ﷺ سے پہلے بنی اسرائیل کا یہ حال تھا کہ وہ لوگوں کو تو نیکی کی تلقین کرتے تھے مگر اپنی سیرت و کردار کا کچھ دھیان نہیں رکھتے تھے۔ انہیں ملامت کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم (اللہ کی) کتاب پڑھتے ہو۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔''
(البقرہ:44)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جتنے پیغمبر بھی مجھ سے پہلے گزرے ہیں ان کی امتوں میں ان کے جان نثار اور ان کے صحابی ہوتے رہے ہیں جو ان کی سنت کی پیروی اور ان کے احکام کی اقتداء کرتے تھے، پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین پیدا ہوئے جو کچھ وہ کہتے تھے وہ کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں ملا تھا۔ اتنا بیان کر کے پھر حضور ﷺ نے اس قسم کے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا: ''تو ایسوں کے ساتھ جس نے ہاتھ کے ساتھ جہاد کیا وہ مومن ہے، جس نے ان سے زبان سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے دل سے جہاد کیا، وہ مومن ہے اور اس کے نیچے ایمان کا کوئی درجہ رائی کے برابر بھی نہیں ہے۔'' (مسلم)

حضور ﷺ کا ایک اور فرمان ایسے لوگوں کے خوفناک انجام کی وضاحت کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''قیامت کے دن کسی شخص کو لایا جائے گا اور اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے پیٹ کی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے گرد اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے (اس پر) دوزخی جمع ہو کر اس سے کہیں گے کہ اے شخص! کیا بات ہے، کیا تو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع نہیں کرتا تھا۔ وہ جواب دے گا، ہاں! (میں نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتا تھا) لیکن لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا (اور) انہیں برائی سے روکتا تھا لیکن خود برائی کرتا تھا''
(بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں اسی قسم کا مضمون بیان ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں نے معراج کی شب میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔'' جبرائیلؑ نے کہا: یہ آپؐ کی امت کے مقررین ہیں۔ یہ لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی تلقین کرتے تھے اور خود کو بھولے ہوئے تھے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر دین اسلام کو اختیار کیا تھا وہ سبھی مسلمانوں کی زبانی تبلیغ ہی سے متاثر ہو کر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جنہیں مسلمانوں کی سیرت اور کردار نے متاثر کیا تھا۔

سن 6 ہجری میں حضور ﷺ نے قریش مکہ سے ''صلح حدیبیہ'' کا معاہدہ کیا۔ اگرچہ یہ معاہدہ چند سال بعد ٹوٹ گیا، لیکن اس معاہدہ کے دوران مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے علاقوں میں آتے جاتے رہے اور کافروں نے مسلمانوں کی زندگیوں کو قریب سے دیکھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ ملتے جلتے تھے، تجارت کرتے اور باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسن عمل، نیکوکاری اور پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھا۔ جو مسلمان کافروں کے پاس جاتے تھے ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں۔ اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلام نہایت تیزی سے

پھیلا۔ اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے قول و فعل سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ مسلمان جس ملک میں جاتے تھے، لوگوں میں انہیں دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔

ایک دفعہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کہیں گر پڑی اور ایک ذمی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علیؓ نے قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ قاضی نے ذمی سے پوچھا "تمہارا کیا جواب ہے؟" اس نے کہا کہ میری ملکیت کا ثبوت یہ ہے کہ زرہ میرے قبضے میں ہے۔ شریح نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپؓ کے پاس اس کی کوئی شہادت ہے کہ زرہ گر گئی تھی۔ انہوں نے حضرت حسنؓ اور قنبر کو شہادت میں پیش کیا۔ قاضی نے کہا قنبر کی شہادت کو تو قبول کرتا ہوں، لیکن حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت مسترد کرتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: آپ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ "الحسن و الحسین سیدا شباب اهل الجنة (حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے) شریح نے کہا: "سنا ہے لیکن میں باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت معتبر نہیں سمجھتا۔" اس فیصلے کو حضرت علیؓ نے تسلیم کر لیا اور زرہ یہودی کے پاس رہنے دی۔ اس واقعہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے خود اقرار کر لیا کہ زرہ آپؓ ہی کی ہے، اور تمہارا دین سچا ہے، میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے اسلام لانے سے اتنی مسرت ہوئی کہ انہوں نے اپنی زرہ اس کو دے دی۔

مشہور صوفی بایزید بسطامیؒ کے بارے میں ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے پڑوس میں ایک آتش پرست کا گھر تھا، ایک دفعہ وہ سفر پر گیا۔ اس کا ایک شیر خوار بچہ تھا جب رات ہوتی تو اندھیرے کی وجہ سے رونے لگتا تھا کیونکہ اس آتش پرست کے گھر میں چراغ نہیں تھا۔ حضرت بایزیدؒ نے اپنا معمول بنا لیا کہ جونہی رات ہوتی وہ اپنے گھر سے چراغ اٹھاتے اور ہمسائے کے گھر میں رکھ آتے۔ اس طرح بچہ خوش ہو جاتا تھا۔ آتش پرست جب سفر سے واپس آیا تو اس کی بیوی نے اسے سارا حال سنایا۔ وہ حضرت کے حسن اخلاق سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

مولانا شبلی نعمانیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "الفاروق" میں لکھتے ہیں:

"شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا، مسلمانوں کے حالات سن کر ہی اسلام کا گرویدہ ہوا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔"

تاریخ کا یہ مشہور واقعہ بتاتا ہے کہ کس طرح سیرت و کردار کی پختگی اغیار پر اثر ڈالتی اور انہیں اسلام کے آگے سر جھکانے پر مجبور کرتی ہے۔

دوسری صدی کے ابتدا کا واقعہ ہے کہ بجستان در خج کے حکمران نے جس کا خاندانی لقب "رتبیل" تھا بنو امیہ کی حکومت کو خراج دینا بند کر دیا۔ اس کے خلاف پیہم چڑھائیاں کی گئیں مگر اس نے اطاعت اختیار نہ کی۔ یزید بن عبدالملک اموی کے عہد میں جب خراج طلب کرنے کے لئے اس کے پاس ایک سفارت بھیجی گئی تو اس نے مسلمان سفیروں سے کہا:

"وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے؟ ان کے پیٹ فاقہ زدوں کی طرح پچکے ہوئے تھے، پیشانیوں پر سیاہ گٹے پڑے رہتے تھے اور کھجوروں کی چپلیں پہنا کرتے تھے۔" سفیر نے کہا: وہ لوگ تو اب گزر چکے ہیں۔ اس پر رتبیل بولا: "اگرچہ تمہاری صورتیں ان سے زیادہ شاندار ہیں مگر وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند تھے، تم سے زیادہ طاقتور تھے۔"

یہ کہہ کر رتبیل نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا اور تقریباً نصف صدی تک اسلامی حکومت سے آزاد رہا۔

واضح رہے کہ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب مسلمان کا کردار موجودہ عہد کے مقابلے میں بہت زیادہ مضبوط تھا۔ تاہم جن لوگوں نے ان سے بھی بہتر سیرت و کردار والے لوگ دیکھے ہوئے تھے۔ وہ جس طرح ان پہلے آنے والوں کے آگے جھک گئے اس طرح ان بعد میں آنے والوں کے آگے نہ جھکے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس تناسب سے داعی کا کردار کمزور ہوتا جائے اسی تناسب سے مخالفین کے دلوں سے اس کا رعب اور احترام کم ہوتا چلا جاتا ہے، اور جس تناسب سے مخالفین کے دلوں سے داعی إلی اللہ اور اسلام کا احترام کم ہوگا، اسی تناسب سے ان کے راہ حق اور دعوت حق کی طرف آنے کی راہیں بھی مسدود ہوتی چلی جائیں گی۔

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر صحیح داعیانہ صفات پیدا کریں، ہماری رہنمائی فرمائیں، ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیں، ہمیں توبہ کی توفیق دے ہمیں دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے بچا کر جنت کی لازوال نعمتیں عطا فرمائیں۔ (آمین)

بقیہ: اداریہ

کیا اچھا ہے کیا برا ہے، یہ کوئی انسان، مسلمان یا تنظیم کا رفیق نہیں جانتا۔ یہ صرف اور صرف اللہ جانتا ہے۔ یہ اُس کا کام ہے، اُس پر چھوڑ دیں۔ آپ اپنا کام کریں، لوگوں کو اقامت دین کی جدوجہد جمع ہونے کے لئے اور تنظیم کے نظم سے جُڑنے کی دعوت دیں اور دیتے چلے جائیں، دیتے چلے جائیں کہ یہی آپ کا فرض منصبی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے تو علامہ اقبال نے کہا تھا۔

اس دور میں سب مٹ جائیں گے ہاں باقی وہ رہ جائے گا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے

ضرورت اپنی راہ پر قائم رہنے کی اور ہٹ کا پکا ہونے کی ہے۔ لیکن یاد رکھئے، یہ اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں اور اللہ کی مدد کے حصول کے لئے دن کا شہسوار رہنے کے ساتھ ساتھ رات کا راہب بننا ہوگا۔ شیطان لعین سے اللہ کی پناہ حاصل کرنا ہوگی۔ دوسری بہت بڑی رکاوٹ حصول رزق کی مشکلات ہیں۔ اپنے اور اہل خانہ کی ضروریات دنیوی کی تکمیل ہے۔ یہ رکاوٹ اور مشکل یوں تو ہر دور میں رہی ہے لیکن آج بہت گھمبیر اور پیچیدہ ہوگئی ہے۔ اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر انسان یہ طے کر لے کہ وہ کسی تیسرے کام میں اپنا وقت ضائع نہیں کرے گا اور اپنے اوقات کا سختی سے احتساب کرے گا تو ہمارا ایمان ہے اور شاید تجربہ بھی کہ دینی اور تنظیمی امور کی انجام دہی کے لئے وقت نکل ہی آتا ہے اور جسے نہیں نکالنا اُسے پنج وقت نماز کے لئے بھی وقت نہیں ملتا۔ ضرورت عزم کی ہے۔ commitment قلبی ذہنی اور روحانی ہو تو اللہ آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا، مشکل ضرور ہوتا ہے۔ صرف آپ کا امتحان درکار ہے۔ اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ ہمارا یقین ہونا چاہیے۔ رفقائے گرامی! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ اللہ کا کام کریں اور اللہ آپ کا کام نہ کرے۔ لہٰذا آئیے اس مرتبہ سالانہ اجتماع میں طے کریں کہ جس دعوت کو ہم نے حق جانا اُسے دوسرے تک لازماً پہنچائیں گے۔ اسلامی انقلاب کے لئے quality اور quantity دونوں کی ضرورت ہے۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک بات پہنچائیں، کچھ نہ کچھ آپ کو ضرور مل جائیں گے۔ انسان فراہم ہوتے رہیں گے تو قافلہ بنتا اور بڑھتا چلا جائے گا۔ اسی پر ہماری آپ کی اور اس امت کی زندگی کا دارو مدار ہے۔ زندگی تو بہر حال گزر ہی جائے گی، اصل بات یہ ہے کہ اس پر ہم سب کی آخرت کا انحصار ہے، جس کی ابتدا ہے انتہا نہیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ (آمین)

حلقہ لاہور غربی کے تحت سیرت پروگرام

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور غربی کے تحت ربیع الاول کے حوالے سے سیرت پروگرام 12 ربیع الاوّل بمطابق 4 جنوری 2015ء کو آمنہ شادی ہال نزد شوکت خانم کینسر ہسپتال میں صبح ساڑھے دس بجے ہوا۔ اس پروگرام کے مقرر امیر محترم حافظ عاکف سعید صاحب تھے۔ پروگرام کی تشہیر کے لئے قبل ازیں 30 عدد بینر لگائے گئے۔ نیز 2000 کی تعداد میں ہینڈ بلز بھی چھپوا کر تقسیم کئے گئے۔ مقامی تنظیم واپڈا ٹاؤن کے رفقاء نے (دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام کی طرز پر) 700 سے زائد احباب سے SMS کے ذریعے رابطہ کیا۔ حلقہ لاہور میں 500 خصوصی دعوت نامے بھی احباب میں تقسیم کئے گئے۔ نیز اخبارات اور میڈیا چینلز کے دفاتر میں جا کر اس پروگرام کے دعوت نامے دیئے گئے۔

امیر محترم نے ''نبی اکرم ﷺ محسن انسانیت'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اُنہوں نے کہا کہ آج کے دور کی اہم ترین ضرورت ایک عادلانہ اور منصفانہ نظام کا قیام ہے، تاکہ کوئی بھی طبقہ یا شخص کسی دوسرے کے حقوق سلب نہ کر سکے۔ نیز ہر شخص کو مساوی مواقع مہیا ہوں، اور وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کا اظہار کر سکے۔ آنحضور ﷺ کا نوع انسانی پر بہت بڑا احسان یہ ہے کہ آپؐ نے آج سے چودہ سو سال پہلے دنیا کو عادلانہ نظام عطا کیا تھا۔ اور آج کا باطل نظام اور سیکولرازم اس نظام عدل کی ضد ہیں، ان کا پشت پناہ ابلیس لعین اور اُس کی ذریت ہے اور وہ کسی بھی قیمت پر اسلام کے عادلانہ نظام کا قیام گوارا نہیں کر سکتے۔ اب یہ آپ ﷺ کے نام لیواؤں کا کام ہے کہ اس نظام کے دوبارہ قیام کے لئے بھرپور کوشش کریں، جس کی خوشخبری محسن انسانیت ﷺ پہلے ہی دے چکے ہیں۔ اس پروگرام میں تقریباً 550 مرد اور 200 خواتین نے شرکت کی۔

پروگرام کے آخر میں حاضرین کی چائے سے تواضع کی گئی۔ اس پروگرام میں حلقہ لاہور کی موبائل مکتبہ دین پر خصوصی سٹال لگایا گیا، جہاں سے تنظیم کے رواں سال کے کیلنڈر اور دوسری کتب اور سی ڈیز فروخت کی گئیں۔

لاہور: مقامی تنظیم جوہر ٹاؤن میں سیرت پروگرام

حلقہ لاہور غربی کی مقامی تنظیم جوہر ٹاؤن میں ربیع الاول کی مناسبت سے 4 روزہ سیرت پروگرام منعقد کیا گیا، جو 9 تا 12 ربیع الاوّل (بمطابق یکم تا 4 جنوری 2014ء) جاری رہا۔ اس پروگرام کا عنوان ''ذکر محبوب رب العالمین'' رکھا گیا۔ اس پروگرام کے مقرر جناب مومن محمود تھے۔ پروگرام کی تشہیر کے لئے 6000 ہینڈ بل 15 مساجد اور حلقہ قرآنی اور احباب میں تقسیم کئے گئے۔ نیز 30 بینرز لگائے اور 30 پوسٹرز مختلف مساجد میں چسپاں کئے گئے۔ پروگرام کا دورانیہ روزانہ بعد نماز عشاء ایک گھنٹہ رکھا گیا۔ چار دنوں میں بالترتیب درج ذیل عنوانات پر گفتگو کی گئی۔ i) نبی اکرم ﷺ سے محبت کی اہمیت ii) آپ ﷺ سے محبت کے تقاضے iii) مکی زندگی کے حالات iv) نبی اکرم ﷺ کے خصائص، ان پروگراموں میں تقریباً 80 رفقاء واحباب شریک ہوئے۔ (مرتب: محمد یونس)

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ کوئٹہ

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ اپنے تین روزہ سالانہ دوسرے پر حلقہ بلوچستان تشریف لائے۔ عصر کی نماز کے بعد رفقاء کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نماز مغرب پر مولانا عصمت اللہ صاحب (امیر جمعیت علمائے اسلام نظریاتی) سے ان کے مدرسے میں ملاقات ہونا طے تھی۔ چنانچہ اس ملاقات کے لئے امیر محترم بعد نماز مغرب اپنے دس رفقاء کے ہمراہ مدرسے پہنچے۔ جہاں مولانا صاحب نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ امیر محترم کا استقبال کیا۔ یہ دوطرفہ ملاقات بہت بھرپور رہی۔ مولانا عصمت اللہ صاحب دین وملت کا درد رکھنے والے ایک مخلص انسان ہیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ بحیثیت مجموعی علماء کرام نے غلبہ اور نفاذ دین کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کما حقہ ادا نہیں کی بلکہ مروجہ سیاست کی بھول بھلیوں میں پڑ گئے، جس سے دینی کاز کو نقصان پہنچا۔ قول اور فعل کا تضاد بڑھتا چلا گیا، جس سے علماء کی قدر و قیمت معاشرے میں کم ہوتی چلی گئی۔ آج ہمارا اصل مسئلہ قول وفعل کا تضاد ہے۔ انہوں نے کہا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام چھوڑ دینے کی وجہ سے ہم مسلمان اللہ پاک کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔ اور اس سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم منکرات کے خلاف آواز اٹھائیں۔ اس موقع پر امیر محترم نے غلبۂ دین کے حوالے سے مولانا صاحب کی توجہ انتخابات سے ہٹ کر انقلابی راستے کی طرف مبذول کرائی۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ہم 60 سال سے انتخابی سیاست میں اپنی توانائیاں کھپا کر رہے ہیں مگر صاف نظر آتا ہے کہ اس سے نفاذ شریعت کی منزل کا حصول نہایت مشکل ہے۔ جبکہ اس راستے کے دو بڑے منفی نتیجے ہمارے سامنے آئے ہیں۔ ایک یہ کہ سیکولر جماعتوں کے ساتھ بار بار کے اتحاد نے دینی جماعتوں کی دینی معنویت معاشرے میں ختم کر دی ہے اور سیکولر جماعتیں بھی ان مذہبی سیاسی جماعتوں کو اپنی کامیابی کی حد تک استعمال کرتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ باہمی تفرقے بازی اور تقسیم در تقسیم کے عمل میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حلقہ دیوبند بھی انتخابی راستے میں مزید تقسیم در تقسیم ہوا۔ امیر محترم نے واضح کیا کہ انتخابی راستے سے نفاذ شریعت کی منزل تک پہنچنا انتہائی مشکل ہے۔ چنانچہ ہمیں بھرپور ایک عوامی تحریک شروع کرنا ہوگی۔ اس موقع پر انہوں نے اس اعلامیے کا بھی حوالہ دیا جو 14 اپریل 2010ء اکابر علمائے دیوبند کی طرف سے جامعہ اشرفیہ لاہور میں منعقدہ اجلاس کے بعد جاری کیا گیا تھا۔ اس کے بعد مولانا صاحب کی طرف سے رفقاء کو عشائیہ دیا گیا۔ اور امیر محترم نے رخصت چاہی۔ یوں یہ بھرپور نشست ختم ہوئی۔ بعد از نماز عشاء مولانا صاحب نے مدرسے کے تمام طلبہ واساتذہ سے امیر محترم کا تعارف کروایا اور خطاب کا موقع بھی عنایت کیا۔ اس ملاقات میں امیر محترم کے ہمراہ محترم سید ریاض اظہر صاحب (نائب ناظم اعلیٰ پاکستان) بھی شریک تھے۔

دوسرے روز صبح 9 بجے امیر محترم نے حلقہ بلوچستان کے ارکان شوریٰ سے ملاقات کی جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پر محیط تھی۔ بعد ازاں ساڑھے دس بجے تمام رفقاء واحباب سے ملاقات ہوئی اور ان کے سوالات وجوابات پر مشتمل نشست ہوئی۔ جس میں حالات حاضرہ پر تبصرہ بھی فرمایا۔ ظہرانے کے بعد یہ نشست اختتام پذیر ہوئی۔ نئے شامل ہونے والے رفقاء نے بیعت بھی کی۔ بعد از نماز عصر حلقہ بلوچستان کے دفتر واقع منان چوک جناح روڈ کوئٹہ میں علماء سے ملاقات طے تھی۔ امیر محترم اور ریاض اظہر صاحب حلقے کے دفتر تشریف لائے۔ یہاں چند علماء مولانا عبدالرحمٰن صاحب خطیب سفیر مسجد کوئٹہ، قاری عبدالشکور خطیب کینٹ سے بھرپور ملاقات ہوئی۔ بعد نماز مغرب مولانا حسین احمد شرودی، (مہتمم جامعہ رشیدیہ کوئٹہ) سے ان کے مدرسے کے قریب محمد آصف کے گھر پر ملاقات ہوئی۔ مولانا صاحب نے اپنے اشکالات امیر محترم کے سامنے رکھے۔ امیر محترم نے ان کا جواب عنایت فرمایا اور تنظیم اسلامی کے طریق کار کو واضح فرمایا۔ مولانا صاحب نے بانی محترم سے اس تعلق کا اظہار بھی فرمایا کہ میرے استاد مولانا محمد یوسف بنوری محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا بہت اکرام فرمایا کرتے تھے۔ اور مولانا کے والد گرامی مولانا یعقوب احمد شرودی، مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید تھے۔ اس ملاقات میں دیگر علماء بھی شریک تھے۔ ملاقات کے اختتام پر محمد آصف بھائی نے مہمانوں کو پُر تکلف عشائیہ دیا۔ امیر محترم نے عشاء کی نماز مولانا صاحب کے ہمراہ ان کے مدرسے میں ادا کی۔

تیسرے روز امیر محترم ساتھیوں کے ہمراہ صبح 8 بجے راشد گنگوہی صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ راشد صاحب کی طبیعت اور احوال پرسی کی اور وہیں ناشتا کیا۔ بعد ازاں ایک اور ساتھی حاجی محمد رفیق کے گھر پر ان کی عیادت کے لئے گئے۔ اُن کا حال ہی میں بائی پاس آپریشن ہوا تھا۔ اس کے بعد امیر محترم مولانا سلیم اللہ صاحب کے مدرسے

جامعہ شمس العلوم تشریف لے گئے، جہاں مولانا صاحب کے ہمراہ دیگر اساتذہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ نماز ظہر اور ظہرانے کے بعد امیر محترم لاہور روانہ ہو گئے۔

علماء کرام کے ساتھ ملاقاتوں میں امیر محترم کے ہمراہ سید ریاض اظہر، محبوب سبحانی، قاری عبدالسلام عمر، خواجہ ندیم احمد، جاوید انور، اقتدار احمد اور راقم الحروف کے علاوہ دیگر رفقاء بھی شریک تھے۔ (رپورٹ: عبدالسلام عمر)

تنظیم اسلامی ناظم آباد کے زیر اہتمام عمومی دعوتی پروگرام

یہ بات عموماً دیکھنے میں آئی ہے کہ تنظیمی مصروفیات میں تسلسل ایک معمول کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ دعوتی پروگرامات ہوں یا تربیتی اجتماعات، اس معمول کی کاروائی کے نتیجے میں بعض اوقات وہ روح جو دراصل مطلوب ہوتی ہے، حاصل نہیں ہو پاتی۔ اسی بات کے پیش نظر تنظیم اسلامی ناظم آباد نے اس ماہ کی آگاہی منکرات مہم کو معمول سے ہٹ کر توسیع دعوت کے پروگرام کی طرز پر منعقد کیا۔ اس پروگرام کا کامیاب انعقاد محض 5 دن کی قلیل مدت میں کیا گیا، سہرا رفقاء کے اخلاص اور ان تھک محنتوں کو جاتا ہے۔ پروگرام کے لئے قبل ازیں 11 جنوری بروز اتوار بعد نماز عشاء "کل رفقاء اجتماع" بلایا گیا، جس میں 60 رفقاء شریک ہوئے۔ اس اجتماع میں مقامی ناظم دعوت ڈاکٹر فیض پاشا نے اپنی گفتگو میں رفقاء پر زور دیا کہ وہ اپنے دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔ اس کے بعد رفقاء کے سامنے پروگرام کی تفصیلات رکھی گئیں کہ 4 دن بعد بروز جمعہ اس پروگرام کا انعقاد ہونا ہے جو بلاشبہ ایک چیلنج سے کم نہیں۔ تمام رفقاء نے اس پکار پر لبیک کہا اور پرعزم انداز میں اپنی خدمات پیش کیں۔ اس کے بعد مختلف شعبوں کے ناظمین اور معاونین کا تقرر کیا گیا اور ان کو متعلقہ ذمہ داریاں تفویض کی گئیں، پھر لگ بھگ 500 تنظیمی احباب کی فہرست رفقاء میں تقسیم کی گئی تاکہ وہ بذریعہ فون انھیں دعوت دے سکیں۔ 13 جنوری بعد نماز عشاء تشہیری کمیٹی کے رفقاء نے دو ٹیموں کی صورت میں علاقے کے نمایاں مقامات پر کل 17 عدد بینرز اور پول کارڈ آویزاں کیے۔ 15 جنوری بروز جمعرات رفقاء کو بعد نماز مغرب مقامی دفتر میں جمع کیا گیا۔ کل 5 ٹیمیں مختلف علاقوں اور مساجد کی جانب روانہ کی گئیں۔ رفقاء نے وہاں پمفلٹ تقسیم کئے اور کارنر میٹنگ کے ذریعے احباب کو پروگرام میں شرکت کی دعوت دی۔ 17 جنوری بروز جمعہ رفقاء نے اسرہ جاتی سطح پر بعد نماز جمعہ مختلف مساجد میں پمفلٹ تقسیم کیے اور کارنر میٹنگ کیں۔ اس کے بعد تمام رفقاء "نایاب لان" (مقام پروگرام) میں جمع ہوئے جہاں ظہرانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے بعد چند افراد کو انتظامی اُمور پر مامور کر کے بقیہ کو آرام کا موقع دیا گیا۔ عصر سے قبل چائے پیش کی گئی اور گشت کے لئے 5 عدد ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔ (ہر ٹیم میں اوسطاً 5 رفقاء موجود تھے)۔ رفقاء کو اُن کے گشت کا علاقہ بتا کر روانہ کیا گیا۔ رفقاء نے گھر گھر جا کر احباب کو پروگرام میں شرکت کی دعوت دی۔ مغرب کے بعد رفقاء کو فارغ کر دیا گیا تاکہ گھر جا کر اہل خانہ اور احباب کے ساتھ پروگرام میں شریک ہو سکیں۔

عشاء کے بعد پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا، جس کی سعادت جناب فیضان منیر نے حاصل کی۔ اس کے بعد سید حمزہ علی صاحب نے اپنی دلنشین آواز میں حمد باری تعالیٰ پیش کی۔ بعد ازاں امیر حلقہ کراچی شمالی شجاع الدین شیخ نے "حیا اور مسلم معاشرہ" کے عنوان پر نہایت دلسوز خطاب فرمایا۔ امیر حلقہ نے کہا کہ حیا ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس کے مفہوم میں غیرت ایمانی بھی شامل ہے۔ انہوں نے مشرقی اور مغربی تہذیب کا موازنہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ آج مغرب نے حیا کا جنازہ نکالا تو ان کے ہاں معاشرتی نظام بھی زمیں بوس ہو گیا اور وہ آج حیوانی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں۔ پروگرام کے اختتام پر امیر حلقہ نے دعا کروائی۔ پروگرام کے دوران احباب سے رابطہ فارم پر کروائے گئے۔ اس پروگرام میں کل 240 حضرات نے شرکت کی جس میں 60 رفقاء بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ 130 خواتین بھی پروگرام میں شریک ہوئیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمیں اخلاص کے ساتھ اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف عمل رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(مرتب: محمد عثمان خان، فائق پاشا)

تنظیمی اطلاعات

حلقہ سرگودھا میں حافظ محمد زین العابدین کا بطور ناظم بیت المال تقرر

امیر حلقہ سرگودھا کی جانب سے آمدہ تجویز پر امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 15 جنوری 2015ء میں مشورہ کے بعد حافظ محمد زین العابدین کو حلقہ میں ناظم بیت المال مقرر کیا۔

مقامی تنظیم "سرجانی ٹاؤن" میں منظور الحق صدیقی کا بطور امیر تقرر

مقامی تنظیم سُرجانی ٹاؤن کراچی کو دو حصوں "گلشن معمار" اور "سُرجانی ٹاؤن" میں تقسیم کرنے کی تجویز کی منظوری کے بعد مقامی تنظیم "گلشن معمار" میں سابقہ امیر کو ذمہ داری سپرد کی گئی ہے۔ جبکہ مقامی تنظیم سُرجانی ٹاؤن میں تقرر امیر کے لئے امیر حلقہ کراچی شمالی کی جانب سے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 15 جنوری 2015ء میں مشورہ کے بعد منظور الحق صدیقی کو مقامی تنظیم سُرجانی ٹاؤن کا امیر مقرر فرمایا۔

مقامی تنظیم "واپڈا ٹاؤن لاہور" میں فاروق احمد کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ لاہور غربی کی جانب سے مقامی تنظیم "واپڈا ٹاؤن" میں تقرر امیر کے لیے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 22 جنوری 2015ء میں مشورہ کے بعد جناب فاروق احمد کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

مقامی تنظیم "سرجانی ٹاؤن" میں منظور الحق صدیقی کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ لاہور غربی کی جانب سے مقامی تنظیم "جوہر ٹاؤن" میں تقرر امیر کے لیے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 22 جنوری 2015ء میں مشورہ کے بعد شیخ محمد نعیم کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

مقامی تنظیم "علامہ اقبال ٹاؤن" لاہور میں فاروق احمد گیلانی کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ لاہور غربی کی جانب سے مقامی تنظیم "علامہ اقبال ٹاؤن" میں تقرر امیر کے لئے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 29 جنوری 2015ء میں مشورہ کے بعد فاروق احمد گیلانی کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

ضرورت رشتہ

☆ راولپنڈی شہر میں رہائش پذیر رفیق تنظیم کو اپنی بیٹی، عمر 22 سال، تعلیم ایم ایس سی (فزکس) کے لئے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ والدین رابطہ کریں۔ برائے رابطہ: 0333-5506302

The 'One Percent Club'

Courtesy: Pakistan Today

Oxfam's global inequality results in 2014 make for horrific reading. The richest one percent own 48 percent of the world's wealth 46 percent wealth is owned by the richest fifth. The remaining 80 percent people share the leftover, just 5.5 percent of global wealth and have an average income of $3,851 per adult, which is 1/700th of the average wealth of the one percent.

What else could so starkly underline the failure of the human race? Potentially God has put the greatness gene in all human beings, but collectively that greatness potential has been totally submerged by the greed gene. Satan laughs all the way to his Wall Street bank.

A sinister hegemonic relationship of predation exists within states, between capitalism-driven governments and the people in all states weak and strong, though western countries wear the cloak of 'democracy', 'justice' and 'welfare' to divert attention from predation.

It is shocking to know that the richest one percent will own more than the rest of the world by 2016. 'The Rest', who are human beings by the way and born with equal rights with 'The Chose Ones', will have to exist – if existence it is – on the remaining 48 percent. We are talking of nearly eight billion people! No wonder, 'Inequality' became the theme at Davos where alarm bells rang but with style, not hysteria, that such grave inequity and inequality will retard economic growth and worsen the human condition, retard consumer purchasing power and the wealth of the one percent richest will consequently retard with it too. The survival instinct kicked in as the one percent and their enablers realized this danger, for it would also almost certainly lead to acute social and political unrest that no country, least of all the developed, can afford at this time of multi-faceted, multi-dimensional turmoil as human financial models of gross exploitation increasingly fail. Though the failure surfaced in October 2008 it took many years in the making after the gold standard was dropped, making the US dollar the reserve and benchmark currency and the US driven global economy was handed over to Wall Street 'banksters'. Then came the experiment with a fatherless currency called the 'Euro' to financially formalize Germany's hegemony over Europe that Hitler couldn't achieve militarily. But this 'experiment' isn't working either because of no fiscal and political union. The results are before you. Banksters went on the rampage as they became regulators and finance ministers too and active players in the deep states of western countries.

Says Oxfam: "…the richest one percent has seen their share of global wealth increase from 44 percent in 2009 to 48 percent in 2014 and at this rate will be more than 50 percent in 2016. Members of this global elite had an average wealth of $2.7 billion per adult in 2014. Of the remaining 52 percent of global wealth, almost all (46 percent) is owned by the rest of the richest fifth of the world's population. The other 80 percent share just 5.5 percent and had an average wealth of $3,851 per adult – that's 1/700th of the average wealth of the one percent."

What else could so starkly underline the failure of the current capitalist system? It defies reason, beggars excuses. Things will get worse in 2016

Oxfam revealed that the 85 richest people on the planet have the same wealth as the poorest 50 percent (3.5 billion people). That figure is now 80 – a dramatic fall from 388 people in 2010. The wealth of the richest 80 doubled in cash terms between 2009-14."

Wrap your mind around this and feel ashamed as a member of this exploitative system. Because we

have excommunicated the spiritual from the secular and handed over religions masquerading as the spiritual to obscurants and the secular to worshipers of the Golden Calf, our world has lost balance, the fulcrum of Creation and Faith.

Said Oxfam's Winnie Byanyima at Davos: "The scale of global inequality is quite simply staggering and despite the issues shooting up the global agenda, the gap between the richest the rest is widening fast. In the past 12 months we have seen world leaders from President Obama to Christine Lagarde talk more about tackling extreme inequality but we are still waiting for many of them to walk the walk. It is time our leaders took on the powerful vested interests that stand in the way of a fairer and more prosperous world. Business as usual for the elite isn't a cost free option – failure to tackle inequality will set the fight against poverty back decades. The poor are hurt twice by rising inequality – they get a small share of the economic pie and because extreme inequality hurts growth, there is less pie to be shared around."

Yes, frighten the rich that inequality retards growth and shrinks demand that will retard their wealth. But like always they find a new bone to the poor to retard downfall, so beware of their nostrums when they come.

Added Lady Lynn: "Oxfam's report is just the latest evidence that inequality has reached shocking extremes, and continues to grow. It is time for the global leaders of modern capitalism, in addition to our politicians, to work to change the system to make it more inclusive, more equitable and more sustainable."

Problem is, western politicians are controlled by the capitalist syndicates of the richest while Third World politicians are controlled by the global hegemon and are corrupt predators themselves, many amongst the richest 1 percent.

Tim Sorrell of the 'One Percent Club' says, "You cannot punish success". Success? Success? If western states hadn't become domestic and international predators, if western banksters hadn't defrauded billions, would they have achieved 'success'? This 'success' comes from living in predatory states that create conditions for the few in the First World (admittedly some very bright) to become wealthy because they have the brains to take advantage of the situation that they helped create and are presented with.

Oxfam is calling on governments to adopt and implement a seven-point plan to tackle inequality. Pious indeed, for governments and capitalists hardly ever take heed. The seven points are:

1. Clamp down on tax dodging by corporations and rich individuals

2. Invest in universal, free public services such as health and education

3. Share the tax burden fairly, shifting taxation from labor and consumption towards capital and wealth

4. Introduce minimum wages and move towards a living wage for all workers

5. Introduce equal pay legislation and promote economic policies to all a fair deal

6. Ensure adequate safety nets for the poorest, including minimum income guarantee

7. Agree a global goal to tackle inequality

A pipedream if ever there was one and I'm not being cynical please. Governments won't do it willingly; the people will have to grab the agenda by force. The prey has to break the hand of the predator, the oppressed of the oppressor, the slave of his owner, people of the tyrant. More violence, but it might become logically unavoidable when there is no other option left except to submit. It is not in Man's nature to submit for he is born free; he knows that tyranny may exist for a while but it can never endure.

<u>Editor's Note:</u> *The Nida e Khilafat team believes that many a problems stated above can be eradicated by adding an agenda-point at the top of Oxfam's list:* ***Abolish Riba (interest) completely, be it individual or institutional.***

د د د